تالیف
ابو محمد عاصم المقدسی
مِلّتِ ابراہیم
طواغیت کا اِنکار الٰہ ربّ العلمین کا اِقرار

ACULTY OF LAW

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و کفی والصلوۃ والسلام علی نبیّہ المصطفی

ملت ابراہیم نامی یہ کتاب میں قارئین کی خدمت میں نئے انداز سے پیش کرر ہا ہوں۔ یہ کتاب اس سے پہلے بھی متعدد بار شائع ہوچکی ہے، مگر اس اشاعت میں جو تبدیلی قارئین کو نظر آئے گی اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ میری ایک اور کتاب ''اسالیب الطغاۃ'' کے ایک مستقل باب سے ماخوذ ہے جسے ہمارے پاکستانی بھائیوں نے اصل کتاب سے الگ ایک کتابچے کی صورت میں شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

اس کتاب کی وجہ سے مجھے اور دوسرے کئی رفقاء کار کو قید و بند کی آزمائش سے بھی گزرنا پڑا ہے۔ بلکہ حکمرانوں کو تو جیسے اس کتاب سے چڑ ہوگئی تھی۔ وہ اس طرح کہ عام گرفتاریوں کے دوران میں حکومت کے اہل کار سب سے پہلے یہی پوچھتے کہ کیا اُس نے (جس راسخ العقیدہ مسلمان کو گرفتار کرنا ہو) ''ملت ابراہیم'' پڑھ رکھی ہے، بس اس کتاب کا برآمد ہونا ہی اس کا جرم قرار پاتا۔

یہ سب اللہ کا فضل ہے کہ جس نے اس کتابچے کو طاغوتوں کے حلق کا کانٹا بنا دیا ہے۔ اس کتاب کی گزشتہ طباعت سے لیکر موجودہ طباعت تک مجھے اس کتاب پر کوئی علمی تنقید پڑھنے کو نہیں ملی۔ مجھے اپنی بساط بھر تلاش کے باوجود مخالفین کی طرف سے اس کتاب پر کوئی قابل ذکر تنقید یا علمی گرفت حاصل نہیں ہوسکی ہے۔ البتہ میری ذات پر ضرور کیچڑ اچھالا گیا ہے۔ 'کویت' میں ایک شعلہ بیان واعظ نے اپنے خطبے میں مجھ پر یہ الزام لگایا کہ میں اس بات کا دعوے دار ہوں کہ روئے زمین پر میرے علاوہ کوئی صاحب ایمان نہیں اور دوسرا یہ کہ ہمارے علاوہ باقی سب کافر ہیں۔ اور ہمارا منہاج فرقہ خوارج کا سا ہے۔ اس طرح کے دوسرے سطحی الزامات اور بھی لگائے گئے ہیں جن کا ذکر کرنا محض طوالت کا باعث ہوگا۔ تاحال اس کتاب کا علمی محاکمہ نہیں کیا جا سکا ہے یا کم از کم ہمارے اپنے علم کی حد تک ایسا ہی ہے۔ البتہ ان میں سے چند اعتراضات ایسے ہیں جن کا جواب دینا ہمارے نزدیک ضروری ہے۔

معترضین کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ اسلام کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ بڑے بردبار اور گریہ وزاری کرنے والے تھے، انہوں نے قوم لوط کے کافروں پر عذاب مسلط کرنے سے پہلے فرشتوں سے خاصی دیر تک باز پرس کی تھی اور عذاب الٰہی کو حتیٰ الوسع ٹالنے کی کوشش کرتے رہے تھے۔

ایک اعتراض یہ ہے کہ ہم شریعت محمدیہ کے پیروکار ہیں اور جہاں تک ملت ابراہیم کا تعلق ہے تو وہ ہمارے لیے قابل اتباع نہیں ہے' نیز معترضین ملت ابراہیم کی صفات بتانے والی آیات کی بابت کہتے ہیں کہ وہ مدنی سورتیں ہیں اور اس زمانے میں نازل ہوئی تھیں جب مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست قائم ہوچکی تھی۔ اگر اس تیسرے اعتراض کو تسلیم کرلیا جائے تو معترضین کے نزدیک عقیدہ ''ولاء اور براء'' کے لیے اسلامی ریاست کا قائم ہونا شرط ٹھہرے گا۔

اسی طرح ان کا دعویٰ ہے کہ مکہ میں ہجرت سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ کا بیت اللہ کے بتوں کو توڑنے والا واقعہ سند کے لحاظ سے ضعیف ہے۔ علاوہ ان اعتراضات کے معترضین سے کوئی بات نہیں بن سکی ہے۔

اب آپ مذکورہ بالا اعتراضات کے جوابات ملاحظہ فرمائیں،

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: '' فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآئَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ۞ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ۞ (ھود۔۷۵،۷۴)

ترجمہ: جب ابراہیم کا ڈر جاتا رہا اور اسے بشارت بھی پہنچ چکی تو ہم سے قوم لوط کے بارے میں کہنے سننے لگے۔ یقیناً ابراہیم بہت تحمل والے نرم دل اور اللہ کی جانب جھکنے والے تھے۔

اس آیت میں معترضین کے لیے دلیل کی کوئی گنجائش نہیں۔ کیونکہ اس کی تفسیر میں مفسرینِ قرآن فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے، لوط علیہ اسلام کی وجہ سے فرشتوں سے بحث وتمحیص کی تھی علاوہ ازیں قرآن کی سب سے اچھی تفسیر خود قرآن ہوتا ہے، سورۃ العنکبوت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ '' وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۞ (سورۃ العنکبوت۔۳۱) ترجمہ: اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس بشارت لے کر پہنچے کہنے لگے کہ اس بستی والوں کو ہم ہلاک کرنے والے ہیں، یقیناً یہاں کے رہنے والے گنہگار ہیں۔

اسی حکم سے ابراہیم علیہ اسلام کو یہ اندیشہ ہوا تھا کہ بستی کے تمام لوگ بشمول لوط علیہ اسلام ہلاک ہونے والے ہیں، اسی لیے ابراہیم علیہ اسلام نے جیسا کہ اہل تفسیر لکھتے ہیں فرشتوں سے پوچھا کہ کیا اگر اس بستی میں پچاس کے قریب مسلمان ہوئے تو پھر بھی تم اس بستی کو تباہ کردو گے؟ فرشتوں نے جواب دیا کہ نہیں، پھر آپ علیہ السلام نے یکے بعد دیگرے چالیس، بیس، دس یہاں تک کہ پانچ مسلمانوں کے بارے میں پوچھا تو فرشتوں نے جواب دیا نہیں، تو ابراہیم علیہ اسلام نے کہا ''قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ڬ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ڭ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۞ (العنکبوت۔۳۲) ترجمہ: (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے) کہا اس میں تو لوط (علیہ السلام) ہیں، فرشتوں نے

کہا جو ہیں ہم انہیں بخوبی جانتے ہیں۔ لوط (علیہ السلام) کو اور اس کے خاندان کو سوائے اس کی بیوی کے ہم بچا لیں گے، البتہ وہ عورت پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے۔

غور کرنے کی بات تو یہ تھی کہ اس سے انبیاء کرام کا منہاج اور طریقہ کار اخذ کیا جاتا۔ انبیاء کرام تمام انسانوں سے زیادہ رحم دل ہوا کرتے ہیں عقل سلیم کا تقاضا تو یہ تھا کہ ابراہیم علیہ اسلام کی فرشتوں سے گفتگو سے ہمارے معترضین یہ نتیجہ نکالتے کہ انبیاء کرام انسانوں کو راہ حق پر دیکھنے کے شدید خواہش مند ہوتے ہیں۔ جیسا کہ یہی انداز فکر رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں بھی بار بار دیکھنے کو ملتا ہے۔ مثال کے طور پر طائف میں جب شر پسندوں نے رسول اللہ ﷺ کو ایذاء پہنچانے کی حد کر دی تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے نگران فرشتوں کو آپ ﷺ کی طرف یہ پیغام دے کر بھیجا کہ آپ ﷺ طائف والوں کے لیے جو سزا تجویز کریں یہ فرشتے اس سزا کو ان پر نافذ کر دیں گے لیکن آپ ﷺ نے سابقہ انبیاء کی طرح صبر و تحمل کا دامن نہ چھوڑا اور فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد میں سے ایسے افراد پیدا فرمائے گا جو ایک اللہ کی عبادت کرتے ہوں گے اور اس کے ساتھ شرک نہیں کرتے ہوں گے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

کیا انبیاء کرام سے ادب اور حسن ظن کا یہ تقاضا نہیں کہ ہم ان کے متعلق غلط تصورات قائم نہ ہونے دیں ایسے تصورات کہ جن سے قرآن کا مفہوم ٹکرائے اور انبیاء کرام کی توحید خالص کی دعوت داغ دار ہو جائے، ایسی جسارت صرف ناعاقبت اندیش کر سکتے ہیں انبیاء کرام تو صرف شرک اور اہل شرک سے برات کے لیے مبعوث ہوتے ہیں لیکن کیا کیا جائے کہ ہمارے خلاف اعتراض کرنے والوں کو اپنے باطل نظریات ثابت کرنے کے لیے جب کوئی ٹھوس بنیاد فراہم نہ ہو سکی تو وہ مبنی بر ظن دلائل پیش کرتے ہیں پھر اپنی کوتاہ بینی سے ان ظنی دلائل کی تاویل کرتے ہیں جس سے وہ قرآن مجید کے محکم اور قطعی دلائل کا اپنا من مانا مفہوم پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

محترم قارئین! آپ سورۃ ممتحنہ کی اس آیت کا زور بیان ملاحظہ فرمائیں: قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۞ (آیت نمبر۔۴) ترجمہ: (مسلمانو) تمہارے لئے حضرت ابراہیم میں اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں۔ ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ ہم میں تم میں ہمیشہ کے لئے بغض و عداوت ظاہر ہو گئی لیکن ابراہیم کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا اور تمہارے لئے مجھے اللہ کے سامنے کسی چیز کا اختیار کچھ بھی نہیں۔ اے ہمارے پرودگار! تجھی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔

اس آیت پر غور کیجیے اس میں ابراہیم علیہ اسلام کے طریقہ کو ہمارے لیے اسوہ قرار دیا گیا ہے! آگے چل کر اس اسوہ کی اہمیت جتلاتے ہوئے فرمایا: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۞ (آیت نمبر۔۶) ترجمہ: یقیناً تمہارے لئے ان میں اچھا نمونہ (اور عمدہ پیروی ہے خاص کر) ہر اس شخص کے لئے جو اللہ کی اور قیامت کے دن کی ملاقات کی امید رکھتا ہو، اور اگر کوئی روگردانی کرے تو اللہ تعالیٰ بالکل بے نیاز ہے اور سزاوار حمد و ثنا ہے۔

معترضین اس قدر واضح اور دوٹوک آیات کو تو موضوع بحث نہیں بناتے البتہ سورہ ھود کی اسی آیت کو بار بار پیش کرتے ہیں " فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ۞ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ۞ (ھود۔۷۴،۷۵) ترجمہ: جب ابراہیم کا ڈر خوف جاتا رہا اور اسے بشارت بھی پہنچ چکی تو ہم سے قوم لوط کے بارے میں کہنے سننے لگے۔ یقیناً ابراہیم بہت تحمل والے نرم دل اور اللہ کی جانب جھکنے والے تھے۔

حالانکہ اسی سورۃ کی آیت ۷۶ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

جس موضوع کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابراہیم اس کا تذکرہ رہنے دو اسی موضوع پر ہمارے معترضین کو سخن وری میں لطف آتا ہے۔

یہ اعتراض کہ ملت ابراہیم اسلام سے قبل کی شریعت ہے جو ہمارے لیے قابل اتباع نہیں ہے۔ حد درجے غیر علمی ہے، دیکھیے سورہ ممتحنہ کے مخاطبین شریعت محمدیہ کے پیرو کار ہیں آپ قرآن مجید کے اسلوب کو ملاحظہ کریں :" قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۞ (آیت نمبر:۴) ترجمہ: (مسلمانو) تمہارے لئے حضرت ابراہیم میں اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں۔ ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ ہم میں تم میں ہمیشہ کے لئے بغض و عداوت ظاہر ہو گئی لیکن ابراہیم کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ میں تمہارے لئے

استغفار ضرور کروں گا اور تمہارے لئے مجھے اللہ کے سامنے کسی چیز کا اختیار کچھ بھی نہیں۔ اے ہمارے پروردگار! تجھی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔

تمہارے لیے ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ کار بہت ہی خوب اسوہ ہے، سورۃ ممتحنہ کی ایک اور آیت میں ابراہیم علیہ اسلام کی پیروی کو واضح طور پر زمان و مکان کی قید کے بغیر ہدایت کے لیے اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اپنانے کی ہدایت نازل ہوتی ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۞ (آیت:۶) ترجمہ: یقیناً تمہارے لئے ان میں اچھا نمونہ (اور عمدہ پیروی ہے خاص کر) ہر اس شخص کے لئے جو اللہ کی اور قیامت کے دن کی ملاقات کی امید رکھتا ہو، اور اگر کوئی روگردانی کرے تو اللہ تعالیٰ بالکل بے نیاز ہے اور سزاوار حمد وثنا ہے۔

کیا معترضین اس آیت کو قرآن کا حصہ تسلیم نہیں کرتے: " وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۞ (البقرہ۔۱۳۰) ترجمہ: دین ابراہیمی سے وہی بے رغبتی کرے گا جو محض بیوقوف ہو، ہم نے تو اسے دنیا میں بھی برگزیدہ کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ نیکوکاروں میں سے ہے۔

خود رسول ﷺ کو ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے: ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۞ (سورۃ نحل۔۱۲۳) ترجمہ: پھر ہم نے آپ کی جانب وحی بھیجی کہ آپ ملت ابراہیم حنیف کی پیروی کریں، جو مشرکوں میں سے نہ تھے۔

اس کے علاوہ اور بہت سی صحیح احادیث ہیں جن میں نبی علیہ السلام کو ملت ابراہیم کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ رسول ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کو دیکھیں تو آپ ﷺ کا طریقہ بھی ابراہیم علیہ السلام کی طرح کفار سے برات کرنا اور ان کے معبودانِ باطلہ اور ان کے طریقہ زندگی سے دشمنی پر مشتمل تھا۔ مزید برآں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں روایت ہے انبیاء آپس بھی بھائی بند ہوتے ہیں۔

اس کتاب کا موضوع توحید بلکہ توحید کا بھی بنیادی عنصر شرک سے برات کی تفصیلات بیان کرنے پر مشتمل ہے۔ جو ہر نبی کی شریعت کا بنیادی موضوع رہا ہے اور کسی شریعت میں منسوخ نہیں ہوا۔ یہ کہنا کہ سابقہ شریعتیں ہماری شریعت نہیں ہیں اگر یہ بات عبادات کے طریقہ کار کے بارے میں کہی جائے تو درست ہوگی مگر یہ کہ انبیاء کی بنیادی دعوت ہی ایک دوسرے سے مختلف ہو یہ بات قرآن مجید کے صریح خلاف ہے: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۞ (نحل:۳۶) ترجمہ: ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو!) صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو۔ پس بعض لوگوں کو تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور بعض پر گمراہی ثابت ہوگئی، پس تم خود زمین پر چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا کچھ ہوا۔

اسی طرح سورۃ انبیاء میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۞ (آیت:۲۵) ترجمہ: تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔

سورۃ شوریٰ میں اسی بات کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ اَللهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۞ (آیت نمبر۱۳) ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کر دیا ہے جس کے قائم کرنے کا اس نے نوح (علیہ السلام) کو حکم دیا تھا اور جو (بذریعہ وحی) ہم نے تیری طرف بھیج دی ہے، اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو دیا تھا، کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا جس چیز کی طرف آپ انہیں بلا رہے ہیں وہ تو (ان) مشرکین پر گراں گزرتی ہے، اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنا برگزیدہ بناتا ہے اور جو بھی اس کی طرف رجوع کرے وہ اس کی صحیح رہنمائی کرتا ہے۔

۲۔ یہ اعتراض کے سورۃ ممتحنہ مدنی ہے اور اس زمانے میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی تو ہم اس کے جواب میں صرف اتنا عرض کرتے ہیں کہ اللہ نے ہمارے دین اور اپنی رحمت کو مکمل کر دیا ہے۔ مکی اور مدنی سورتوں کے فرق کی بنیاد پر شرعی احکام میں فرق کرنا ہماری شریعت سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ اِس قاعدے کو اگر مان لیا جائے تو اس سے شر اور فتنوں کو فروغ دینے کا ایک بڑا سامان میسر ہو جائے گا۔ شریعت کے بے شمار احکام معطل ہو جائیں گے یا ان میں ترمیم کرنا پڑے گی، ہاں اگر معترضین یہ کہتے کہ کفر سے اظہار برات حسب استطاعت کیا جاتا ہے تو ان کی یہ بات درست ہوتی۔ ظاہر ہے جو کام حکومت کر سکتی ہے وہ ایک شخص خواہ کتنا ہی دلیر کیوں نہ ہو نہیں کر سکتا۔ مگر معترضین تو سرے سے برات کو اس دین حنیف کی اساس قرار دینے پر تیار نہیں ہیں۔

ہماری اس کاوش کا مقصد دین اسلام کے عقیدہ براء (اللہ کے ساتھ ایمان نہ لانے والوں سے دشمنی اور بیر رکھنا) کا احیاء ہے۔ ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں نے جس وقت

اپنی قوم سے اظہارِ برات کیا تھا تو وہ اپنی قوم کے سب سے کم زور لوگ تھے۔ان کے پاس کوئی اقتدار بھی نہیں تھا۔اس کے باوجود اللہ تبارک وتعالیٰ نے ملتِ ابراہیم کو ہمارے لیے کامیابی کے حصول کے لیے بہترین نمونہ قرار دیا ہے اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ نبی علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر چلتے تھے،مکی و مدنی زندگی میں آپ ﷺ کی دعوت کا محور توحید کے اقرار اور شرک سے برات کے گرد گھومتا ہے۔ایمان کی باقی شاخیں بھی اسی عقیدے سے پھوٹتی ہیں۔یہی عقیدہ عروۃ الوثقی ہے۔

مذکورہ بالا آیات جو سورۃ ممتحنہ کی ہیں کیا فی الواقع یہ سورت مدنی ہے؟ چلیں ایک لمحے کے لیے ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ یہ سورت پوری کی پوری مدینہ میں نازل ہوئی ہوگی لیکن سورہ کافرون کے بارے میں کیا کیجئے گا! کیا اسے بھی آپ اپنی افتادِ طبع سے مدنی سورت ہی کہیں گے۔اس سورت میں کس زوردار انداز سے کافروں کے دین سے اظہار برات کیا گیا ہے۔

قُلْ يٰٓاَ يُّهَاالْكٰفِرُوْنَ ۞ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۞ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۞ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۞ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۞ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِىَ دِيْنِ ۞ (الکافرون) ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اے کافرو! نہ میں عبادت کرتا ہوں اس کی جس کی تم عبادت کرتے ہو۔نہ تم عبادت کرنے والے ہو اس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔اور نہ میں عبادت کروں گا جس کی تم عبادت کرتے ہو۔اور نہ تم عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کر رہا ہوں۔تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے۔

مکہ کے معبودانِ باطلہ کی اہانت کرتے ہوئے مکہ کی وادیوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے اس طرح اظہار برات کرایا: اَفَرَءَ يْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۞ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۞ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۞ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۞ (نجم۱۹-۲۲) ترجمہ: کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا۔اور منات تیسرے پچھلے کو۔کیا تمہارے لئے لڑکے اور اللہ کے لئے لڑکیاں ہیں؟ یہ تو اب بڑی بے انصافی کی تقسیم ہے۔

آپ ﷺ تو مکہ میں پکار پکار کر کہہ رہے تھے: اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ۞ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۞(انبیاء: ۹۸-۹۹) ترجمہ: تم اور اللہ کے سوا جن جن کی تم عبادت کرتے ہو،سب دوزخ کا ایندھن بنو گے،تم سب دوزخ میں جانے والے ہو۔اگر یہ (سچے) معبود ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے،اور سب کے سب اسی میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

آپ ﷺ مکہ کے معبودانِ باطلہ کے ساتھ کیا رویہ روا رکھتے تھے اور آپ ﷺ کی شہرت اس سلسلے میں کیا تھی' اسے اس آیت کی روشنی میں دیکھیں: وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِىْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۞(انبیاء: ۳۶) ترجمہ: یہ منکرین جب بھی تجھے دیکھتے ہیں تو تمہارا مذاق ہی اڑاتے ہیں کہ کیا یہی وہ ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر برائی سے کرتا ہے،اور وہ خود ہی رحمٰن کی یاد کے بالکل ہی منکر ہیں۔

کفار سے اظہار برات پر مبنی تمام نصوص کو اگر یہاں جمع کریں تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو جائے گی۔ جہاں تک مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ کے بت توڑنے کی حدیث کے ضعیف ہونے کا سوال ہے تو اس کا مفصل احوال یہاں بیان کر دینا فائدے سے خالی نہیں۔ یہ حدیث حسن درجے کی ہے جیسا کے ائمہ حدیث والرجال نے بیان کیا ہے۔حدیث کے الفاظ ہیں' عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی کہ انہیں اسباط بن محمد نے انہیں نعیم بن حکیم نے انہیں ابو مریم نے انہیں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے،فرمایا کہ ایک دفعہ میں اور رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے پاس پہنچے آپ ﷺ نے فرمایا:۔علی بیٹھ جاؤ' میں بیٹھ گیا' آپ ﷺ میرے کندھوں پر سوار ہو گئے لیکن میں جب آپ ﷺ کا بوجھ نہ سہار سکا تو آپ ﷺ بیٹھ گئے اور میں آپ ﷺ کے کندھوں پر سوار ہوا جب آپ ﷺ مجھے اٹھائے ہوئے کھڑے ہوئے تو مجھے ایسے لگا گویا میں آسمان تک پہنچ گیا ہوں' اس کے بعد میں کعبہ کی چھت پر چڑھ گیا وہاں پیتل یا تانبے کی مورتیاں تھیں جنہیں میں نے اٹھا کر چاروں طرف پھینک دیا۔آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ انہیں توڑ دؤ میں نے انھیں گرا کر شیشے کی طرح کرچی کرچی کر دیا۔اس کارروائی کے بعد ہم دونوں وہاں سے چل دیئے اور سیدھے گھر آ کر دم لیا ہمیں خطرہ تھا کہ کوئی ہمیں دیکھ نہ لے۔

اِس روایت میں اسباط بن محمد ثقہ راوی ہے۔ جب وہ امام ثوری رحمہ اللہ سے روایت کریں تو محدثین کرام انہیں ضعیف قرار دیتے ہیں لیکن اس روایت میں وہ امام ثوری رحمہ اللہ سے روایت نہیں کر رہے ہیں۔نعیم بن حکیم کو یحییٰ بن معین اور عجلی نے ثقہ قرار دیا ہے۔(تاریخ بغداد: ۱۳/۳۰۳)

مسند احمد میں اس حدیث کی ایک اور سند اس طرح ہے۔قال عبداللہ بن احمد بن حنبل،حدثنی نصر بن علی حدثنی عبداللہ بن داؤد عن نعیم بن حکیم عن علی...مسند احمد ۱/۱۵۱۔اس کے علاوہ محدث الہیثمی نے بھی مجمع الزوائد میں یہی روایت لکھی ہے' اس میں صرف اتنے الفاظ زیادہ ہیں کے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا اس واقعے کے بعد بیت اللہ کی چھت پر کسی نے بتوں کو نہیں رکھا(مجمع الزوائد: ۶/۲۳)۔ یہ روایت تاریخ بغداد ۱۳/۳۰۳ میں بھی موجود ہے اس سند میں ابو مریم کا ذکر بھی ہے ان کا نام قیس ثقفی مدائنی ہے یہ نعیم بن حکیم اور علی بن طالب سے حدیث بیان کرتے ہیں۔ابن حبان اور امام نسائی نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔جس طرح ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام نسائی نے ابو مریم حنفی کو قیس کا نام دیا ہے حالانکہ قیس نام کے محدث ابو مریم ثقفی تھے۔پھر آگے لکھتے ہیں کہ امام نسائی کی کتاب التمیز میں نے دیکھی تو وہاں بھی قیس ثقفی کا نام درج تھا' ابو مریم حنفی کا ذکر نہیں تھا کیونکہ

امام نسائی ان کو نہیں جانتے تھے۔

اس حدیث کو علامہ احمد شاکر نے مسند احمد کی تحقیق میں صحیح قرار دیا ہے۔۵۸/۲۔علامہ احمد شاکر کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے،نعیم بن حکیم کو ابن معین نے ثقہ قرار دیا ہے۔امام بخاری نے تاریخ کبیر ۹۹/۲ میں ان کے حالات زندگی لکھتے ہوئے ان پر جرح نہیں کی ہے۔اس طرح ابو مریم ثقفی پر بھی امام بخاری نے کوئی جرح نہیں کی ہے ۔علامہ احمد شاکر لکھتے ہیں یہ واقعہ ہجرت مدینہ سے پہلے پیش آیا تھا۔

اس حدیث کی سند آپ جان چکے ہیں اگر اس حدیث کو ضعیف بھی قرار دیا جائے پھر بھی رسول اللہ ﷺ کا اسوہ ہمارے سامنے ہے۔مکہ مکرمہ میں تیرہ برس آپ ﷺ مسلسل اسی ایک بات پر مصر رہے کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے مکہ میں تیرہ برس خاموشی سے گزار دیے ہوں گے۔واقعہ یہ ہے کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کمزور ہونے کے باوجود برملا مکہ کے معبودوں سے اظہار برات کرتے تھے۔شرک اور اہل شرک سے نبی علیہ السلام کی برات کچھ اسی حدیث پر موقوف نہیں ہے، کہ اس حدیث کو ضعیف قرار دے کر اس حقیقت سے آنکھیں چرائی جاسکیں بلکہ اس پر قاطع ادلہ اسی قدر تفصیل سے کتاب اللہ میں ہیں کہ ایک متعصب ہی اُن کا انکار کرسکتا ہے۔ہم اس مختصر کتابچے میں مذکورہ بالا دلائل پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

آخر میں میں چاہتا ہوں ایک مناظرے کا احوال بیان کروں جو میرے ساتھ جیل میں چند دوسرے قیدیوں نے کیا تھا۔مناظرے کا موضوع ایمان اور اس کے متعلقات تھا۔بحث کے دوران میں انہوں نے اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے صحابی رسول رضی اللہ عنہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ اور ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ کے واقعات کو بطور دلیل کے پیش کیا۔ان کا خیال تھا کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے تو اہل مکہ کے لیے جاسوسی کی تھی اور ابولبابہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے خیانت کے مرتکب ہوئے تھے اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کو کافر قرار نہیں دیا تھا۔ان کے خیال میں اس قسم کے افعال کفر کے زمرے میں نہیں آتے۔اس دلیل کو بنیاد بنا کر وہ انسان ساختہ قوانین بنانے والے اور ان کے نافذ کرنے والوں کو بھی بری الذمہ قرار دینے پر مصر تھے اور کہتے تھے کہ ان لوگوں کی تکفیر نہیں ہوسکتی کیونکہ ان کے گناہوں کی نوعیت بھی حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ اور ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی طرح ہے۔جب ہم نے کہا کہ تم لوگ طاغوت کی افواج کو کافر قرار نہیں دیتے ہو بلکہ ان کو صرف ظالم اور جابر کہتے ہو تو وہ اس بات پر ناراض ہوگئے اور کہنے لگے کہ ہم نے ان کی بات کو غلط رنگ دیا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ ہم نے یہ کبھی نہیں کہا کہ وہ سارے ہی ظالم اور جابر ہوتے ہیں بلکہ ہم نے صرف انہیں شک کا فائدہ دیا ہے کہ انسان ساختہ قوانین کو نافذ کرنے والے بعض لوگ ظالم بھی ہوسکتے ہیں اور فاجر بھی۔ہم نے کہا کہ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان ساختہ قوانین بنانا اور انہیں نافذ کرنا بذات خود کفر نہیں ہے بلکہ اس کے لیے یہ شرط ہے کہ ہمیں ان کے ذاتی حالات کا علم ہو جو کہ ایک نہایت ہی تعجب انگیز بات ہے۔ہم نے جب کہا کہ تم طاغوت کو تحفظ دینے والوں کو محض ظالم اور جابر سمجھتے ہو اور کافر نہیں سمجھتے ہو تو وہ اس بات پر سیخ پا ہوگئے۔ہم نے کہا کہ جب حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو جاسوس اور ابولبابہ رضی اللہ عنہ (معاذ اللہ) کو خائن کہتے ہوئے تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہوئی اور جب ہم نے کہا کہ تمہارے اِس اصول سے غیر اللہ کے قانون کو نافذ کرنے والے مسلمان ہی رہیں گے تو تمہیں غصہ آگیا۔اس کے بعد ہمارے اور ان کے درمیان جدائی ہوگئی۔پھر ایک موقع پر ہماری ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھے مخاطب کرکے کہا' تم درحقیقت ملت ابراہیم کی دعوت دینے والے ہو۔ایسے لوگوں کے ذاتی مفادات ہوتے ہیں اور تمہاری دعوت سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ یہود اور نصاریٰ سے دوستی کرلی جائے کیونکہ ان دو مذاہب کے پیروکار ہی ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور تمہاری ملت ابراہیم سے یہی لوگ مراد ہیں۔

محترم قارئین! بتایئے اس قدر سطحی سوچ رکھنے والوں سے کیا گفتگو کی جاسکتی ہے جو نسلی اولاد اور عقیدے کی بنیاد پر اٹھنے والی دعوت کے فرق کو نہ سمجھتے ہوں۔موجودہ زمانے کے طواغیت نے پروپیگنڈہ سے یہ بات ہمارے نادان دوستوں کے ذہن میں ڈال دی ہے۔بھلا ملت ابراہیم سے یہود و نصاریٰ کی دوستی کب مراد ہونے لگی۔یہود و نصاریٰ سے دوستی لگا کر تو آدمی ایمان سے تہی دامن ہوجاتا ہے اور دین کی بنیاد ہی منہدم ہوجاتی ہے۔عقیدہ ولاء اور براء کے اوپر ایسی زد پڑتی ہے کہ آدمی کو اپنے ایمان کی ہی خیر منانی چاہیے۔یہود و نصاریٰ کب ابراہیم علیہ السلام کی ملت میں ہونے لگے: اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (آل عمران:۶۸) ترجمہ: سب لوگوں سے زیادہ ابراہیم سے نزدیک تر وہ لوگ ہیں جنھوں نے ان کا کہا مانا اور یہ نبی اور جو لوگ ایمان لائے، مومنوں کا ولی اور سہارا اللہ ہی ہے۔

ملت ابراہیم اور اولاد ابراہیم میں عقیدے اور منہاج کا فرق ہے۔اتنی موٹی بات کی کسی کو سمجھ نہ آئے تو کیا کیا جاسکتا ہے۔ملت ابراھیم پر چلنے سے باپ اور بیٹے میں جدائی آجاتی ہے۔اولیاء الرحمٰن اور اولیاء الشیطان کے دو واضح گروہ بن جاتے ہیں۔ملت ابراہیم سے بے اعتنائی برتنے والے کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (البقرہ۔۱۳۰) ترجمہ: دین ابراہیمی سے وہی بے رغبتی کرے گا جو محض بیوقوف ہو، ہم نے تو اسے دنیا میں بھی برگزیدہ کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ نیکوکاروں میں سے ہے۔

ہم نے اس کتاب میں دین ابراہیم کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔آپ کھلے دل اور روشن آنکھوں سے اس پر غور کریں اور مخالفین کے پروپیگنڈہ میں نہ آئیں۔

برادران اسلام! بہت افسوس ہے کہ اس کتاب کی پہلی اشاعت سے لے کراب تک کے طویل دورانیے میں ہمیں کتاب کے مندرجات پر کوئی علمی اعتراض پڑھنے کو نہیں مل سکا۔ مخالفین نے اس کتاب اور صاحبِ کتاب پر جو گھٹیا درجے کے الزامات لگائے ہیں ان کا جواب دے کر ہم ان کی سطح پر نہیں اترنا چاہتے۔ دعا ہے کہ اللہ رب العالمین اپنے دین کی نصرت فرمائے اور دشمنوں کو ذلیل وخوار کرے اور ہماری زندگی اسلام کی خدمت میں کھپ جائے۔ اے اللہ ہمیں اپنے دین کا محافظ اور مددگار بنادے اور ہمیں شہادت فی سبیل اللہ کی نعمت عطا فرما۔ آمین

ابومحمد عاصم المقدسی

ملت ابراہیم

ملت ابراہیم اللہ تعالیٰ کو اس قدر عزیز ہے کہ وہ فرماتا ہے: وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۞ (البقرہ۔۱۳۰) ترجمہ: دین ابراہیمی سے وہی بے رغبتی کرے گا جو محض بیوقوف ہو، ہم نے تو اسے دنیا میں بھی برگزیدہ کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ نیکوکاروں میں سے ہے۔

اسی طرح نبی علیہ السلام کو ملت ابراہیم کی پیروی کرنے کی تاکید کرتے ہوئے وہ فرماتا ہے: ثُمَّ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۞ (نحل۔۱۲۳) ترجمہ: پھر ہم نے آپ کی جانب وحی بھیجی کہ آپ ملت ابراہیم حنیف کی پیروی کریں، جو مشرکوں میں سے نہ تھے۔

محترم قارئین! اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے جس منہاج اور طرز زندگی کو بیان کیا ہے وہ نہایت جامع اور دوٹوک ہے۔ مزید برآں اسے اختیار کرنا اس قدر ضروری ہے کہ اس طریقے کو چھوڑ کر مسلمان فتنے اور ہلاکت میں پڑ جائیں گے۔ شیطان کمزور ایمان والوں کو بھٹکانے کے لیے گھات لگائے ہوئے ہے۔ اب جو شخص کہے کہ دعوت کا یہ اسلوب مصائب لانے والا ہے جدید دور میں دعوت کے لیے جدید اسلوب اپنانے کی ضرورت ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ جو شخص ابراہیم علیہ السلام کے دعوتی اسلوب کو چھوڑ کر اپنی طرف سے کوئی طریقہ اپنانا چاہے تو وہ غلطی کا مرتکب ہوگا کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کی دانائی اللہ تعالیٰ کو حد درجے پسند ہے۔ اس کی تعریف کرتے ہوئے سورۃ الانبیاء میں وہ فرماتا ہے: وَلَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۞ (۵۱) ترجمہ: یقیناً ہم نے اس سے پہلے ابراہیم کو اس کی سمجھ بوجھ بخشی تھی اور ہم اس کے احوال سے بخوبی واقف تھے۔

قرآن مجید میں جگہ جگہ ایسے تعریفی کلمات ملتے ہیں: وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۞ (البقرہ۔۱۳۰) ترجمہ: دین ابراہیمی سے وہی بے رغبتی کرے گا جو محض بیوقوف ہو، ہم نے تو اسے دنیا میں بھی برگزیدہ کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ نیکوکاروں میں سے ہے۔

دین ابراہیم کی امتیازی خصوصیات

ہر قسم کی عبادات خالص ایک اللہ کے لیے کرنا، شرک اور اہل شرک سے مکمل برات اختیار کرنا، محمد بن عبدالوہابؒ نے اس بات کو اس طرح بیان کیا ہے کہ دین اسلام کی دو بنیادیں ہیں۔ ایک اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا حکم دینا لوگوں کو اس کی دعوت دینا جو لوگ توحید پر کاربند ہوں انہیں اپنا دوست اور ولی سمجھنا اور دوسرا جو لوگ اکیلے اللہ کی عبادت کا انکار کریں اور اس کے ساتھ شرک کریں ان کی تکفیر کرنا۔

یہ وہی توحید ہے جس کی طرف تمام انبیاء نے دعوت دی۔ لا الہ الا اللہ کا معنی بھی یہ ہے کہ خالص اللہ کو بندگی کی جائے۔ زندگی کے ہر معاملے میں، دوستی اور دشمنی کا معیار بھی یہی عقیدہ توحید ہو' اور اللہ رب العالمین کے علاوہ ہر معبود کا انکار کیا جائے۔ اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھی جائے۔ عقیدہ ولاء اور براء بیک وقت دل میں بھی ہو اور عمل سے بھی چھلکتا ہو۔ جہاں سورت اخلاص دِل میں عقیدہ ولاء اور براء کو راسخ کرتی ہے وہاں سورت کافرون عملی اظہار پر ابھارتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ اکثر فجر کی سنتوں میں انہی دو سورتوں سے اپنے دن کا آغاز کیا کرتے تھے۔

انتباہ

جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ملت ابراہیم کا حق توحید کی تعلیم دینے کے لیے درس گاہوں کی کثرت سے ادا ہو جاتا ہے اور توحید کی اقسام کو علمی انداز میں بیان کر کے اسوہِ ابراہیمی کا حق ادا کر لیتے ہیں تو وہ سخت مغالطے میں مبتلا ہیں۔ اہل باطل کے نظریات کا رد نہ کیا جائے' معاشرے میں وہ جو کرتے پھریں اس پر چپ سادھ لی جائے' ان سے اظہار برات نہ کیا جائے اور پھر بھی وہ ملت ابراہیم کے دعوے دار ہوں' اگر یہی ملت ابراہیم کا تقاضا ہوتا تو پھر ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم آگ کے آلاؤ میں نہ پھینکتی۔ اگر ابراہیم علیہ السلام توحید کی دعوت کو محض درس گاہوں میں پیش کرتے اور اپنی قوم کے باطل نظریات سے کوئی تعرض نہ کرتے' قوم کے معبودوں کے خلاف اعلان جنگ بھی نہ کرتے، دوستی اور دشمنی، محبت اور عداوت کے سارے سوتے اللہ کی توحید سے برآمد نہ کرتے ہجرت اور جہاد کے راستے کو اختیار نہ کرتے تو آپ کی قوم آپ کو بڑھ کر خوش آمدید کہتی' درس گاہیں اور جامعات آپ کی سپردگی میں چلتے جیسا کہ ہمارے ہاں توحید کی تعلیم درس گاہوں کے بند کمروں میں دی جاتی ہے اور توحید کا عملی اظہار کہیں نہیں ہوتا۔ خلیجی ممالک میں تمہیں شاہراہوں پر اشتہارات پڑھنے کو ملیں گے۔ مدرسۃ التوحید، کلیۃ الدعوۃ، کلیۃ اصول الدین وغیرہ وغیرہ۔ اہل باطل ایسی توحید کے کبھی آڑے نہیں آتے۔ اِن درس گاہوں میں لکھے جانے والے سینکڑوں مکالے ان کے لیے کسی تکلیف کا باعث نہیں بنتے بلکہ محققین کو تو انعام و اکرام سے نوازا جاتا ہے۔ توحید کی مسخ صورت پیش کرنے سے سماج میں کوئی تبدیلی نہیں آجایا کرتی۔ اس

کے لیے جیسا کے شیخ عبداللطیف بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔ جو شخص اہل شرک سے عداوت نہیں رکھتا اس کا اہل توحید میں ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا (الدرر السنیۃ ؛جزء الجہاد ص ۱۶۷)

ذرا مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے طریقہ دعوت کو بھی سامنے رکھیں اگر آپ ﷺ اہل مکہ کے بتوں کو کھلم کھلا برا بھلا کہنا چھوڑ دیتے' لات، عزیٰ، منات جیسے اہل مکہ کے بتوں کی جن آیات میں اہانت کی گئی تھی' وہ انہیں پڑھ پڑھ کر نہ سناتے تو مشرکین مکہ کو آپ ﷺ کی دعوت پر اعتراض نہ ہوتا۔ مکہ کے بڑے بڑے مشرک' ابولہب اور ولید کے بارے میں جو آیات نازل ہوئیں انہیں اپنی قوم پر پیش نہ کرتے تو اہل مکہ آپ ﷺ کی بڑی توقیر کرتے۔ لیکن آپ دیکھیں گے کہ توحید کے عملی اظہار پر آپ ﷺ پر حالت سجدہ میں جانوروں کی آلائشیں ڈال دی جاتی ہیں بلکہ آپ ﷺ کی ایذا رسانی کے واقعات سرے سے پیش ہی نہ آتے جو سیرت کی کتابیں پڑھتے ہوئے ہماری نظروں کے سامنے سے بار بار گزرتے ہیں۔ آپ ﷺ کو ہجرت اور دوسرے مصائب برداشت نہ کرنا پڑتے۔ آپ ﷺ مع اپنے اصحاب مزے سے اپنے وطن میں امن وسکون سے رہتے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام لانے والوں سے دوستی اور اسلام نہ لانے والوں سے دشمنی مسلمانوں پر اول روز سے ہی فرض تھی۔ نماز پنج گانہ، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی فرضیت تو بعد میں نازل ہوئی مگر فریضہ توحید پر عمل کرنے سے مصائب وآلام کا آغاز پہلے دن سے ہو گیا تھا۔

شیخ حمد بن عتیق آلِ شیخ لکھتے ہیں کہ ہر صاحبِ عقل جو اپنی جان کا خیر خواہ ہے اسے یہ ضرور سوچنا چاہیے کہ قریش نے رسول ﷺ کو اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مکہ جیسے محترم شہر سے کیوں نکالا؟ اس شہر میں داخل ہونے والا ہر شخص امن وسلامتی میں آ جاتا ہے' آخر آپ ﷺ کو وہاں سے ہجرت کیوں کرنا پڑی؟ یاد رکھیں کہ مکہ والوں نے یہ جسارت اس وقت کی جب آپ ﷺ نے ان کے دین کو غلط کہا اور ان کے آباء واجداد کو شرک کرنے کی وجہ سے گمراہ قرار دیا۔ ابتداء میں انہوں نے معاشرتی دباؤ سے آپ ﷺ کو روکنے کی کوشش کی پھر شہر بدر کرنے کی دھمکیاں ملیں پھر تو آپ ﷺ کے اصحاب پر طرح طرح کے مصائب آئے یہاں تک کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے سامنے ان مصائب کا ذکر کر دیا (اور کچھ رعایتیں چاہیں) مگر آپ ﷺ نے انہیں سابقہ انبیاء کے پیروکاروں کو دی جانے والی تکالیف کا ذکر کر کے صبر واستقامت کی تلقین فرمائی۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ سے یہ نہیں کہا کہ تم مشرکین کے دین اور ان کے معبودوں کو برا بھلا مت کہو' انہیں کافر اور گمراہ بھی نہ کہا کرو، اپنے رویے میں لچک پیدا کرو، لیکن اس کے برعکس آپ ﷺ نے اپنے عزیز ترین وطن مکہ سے ہجرت کرنا گوارہ کر لیا۔ قرآن مجید میں یہی سیرت ہمارے لیے اسوہ حسنہ بتائی گئی ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ (الاحزاب:۲۱) ترجمہ: یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کی یاد کرتا ہے۔

طواغیت ہر زمانہ اور ہر جگہ اللہ کی توحید کی دعوت دینے والوں کے ساتھ یہی رویہ روا رکھتے ہیں۔ یہ لوگ کبھی اسلام سے راضی نہیں ہوتے، اسلامی ممالک کے حکمران اسی طرح کرتے ہیں کہ جب اسلام پر مشکل ترین وقت آن پڑے تو اُس وقت اسلام اپنے لوگوں میں ہی اجنبی ہو کر رہ جائے۔ جب مومنوں سے دوستی اور کفار سے عداوت کا اظہار اس دین کی بقاء کے لیے اشد ضرورت بن جائے تو اس نازک وقت میں یہ لوگ اسلام کے دشمنوں سے مصالحت کی باتیں کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے کانفرس اور مجالس منعقد ہوتی ہیں اور میڈیا پر امن وآشتی کے مضامین کی بھرمار ہو جاتی ہے۔ ہم نے سعودی عرب میں سربراہوں کا یہی کردار دیکھا ہے۔ یہاں کی سرکاری توحید بس کتب خانوں کی رونق تک محدود ہے۔ یہاں بس قبر پرستی، شرکیہ تعویز گنڈے، آستانوں اور درگاہوں کے خلاف کتب چھپتی ہیں مگر جو امور عقیدہ ولاء اور براء سے متعلق ہیں وہاں حکومت صرف اپنے مفاد کو سامنے رکھتی ہے۔ بس یہاں توحید وہی معتبر ہے جس کی آواز ایوان بالا تک نہ پہنچے۔ کبھی آپ نے سوچا کہ مملکت سعودی عرب میں شیخ جہیمان کی کتابوں کو کیوں فروغ نہیں دیا جاتا۔ کیا ان کتابوں میں توحید بیان نہیں کی گئی ہے' لطف تو یہ ہے کہ ان کتب میں حکمرانوں کو کافر بھی نہیں کہا گیا۔ بات دراصل یہ ہے کہ ان کتب میں جو توحید بیان کی گئی ہے وہ طاغوتوں کے مزاج اور خواہشات کے خلاف ہے کیونکہ اس میں کفار سے دوستی اور دشمنی کو بھی عقیدہ توحید میں شامل کیا گیا ہے۔

شیخ علامہ حمد بن عتیق رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ ''بہت سے لوگوں کا تصوّرِ اسلام اس قدر محدود ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کلمہ شہادت منہ زبانی پڑھ لے، مساجد میں نمازِ پنجگانہ ادا کرلے تو وہ دینِ اسلام کی تعلیمات پر کاربند ہے' خواہ وہ مشرک اور مرتد ہو جانے والوں کے ساتھ ہی رہتا رہے۔'' یہ تصوّر دین بالکل غلط ہے۔ یاد رکھو کہ کفر کی کئی انواع و اقسام ہیں۔ پھر ہر گروہ اور طبقے کے کافر ہو جانے کی مختلف وجوہات ہوتی ہیں۔ بنا بریں اظہارِ دین اس وقت ہوگا جب وہ اپنے علاقے کے کفریہ گروہوں سے اظہارِ عداوت کرے ''۔(دیکھیے حوالہ' کتاب سبیل النجاۃ)

وہ اپنی کتاب الدرر السنیۃ' میں لکھتے ہیں ''اظہارِ دین کا مطلب ہے کفار کی تکفیر کی جائے ان کے دین کو غلط اور مطعون ٹھہرایا جائے اور ان کی طرف کسی قسم کا میلان اور جھکاؤ کا تاثر نہ دیا جائے۔ اظہارِ دین کفار سے دشمنی رکھنے کا نام ہے۔ محض نماز ادا کر کے سمجھ بیٹھنا کہ ہم نے اپنے دین کا اظہار کر لیا ہے' کلمہ شہادت کی حقیقت کو نہ جاننے پر دلالت کرتا ہے۔ الدرر السنیۃ: جزء الجہاد ص ۱۹۶)

اللہ کے لیے دوستی اور اللہ ہی کے لیے دشمنی کی اہمیت بیان کرتے ہوئے شیخ اسحاق بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''جو شخص روٹین کی عبادات بجالاتا ہے اور دیکھتا ہے کہ وعظ و نصیحت سے اسے منع نہیں کیا جارہا ہے تو یہ دیکھ کروہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ دینِ اسلام کی نصرت کا کام بہت خوب ہو رہا ہے تو وہ شدید غلط فہمی کا شکار ہے، عقلی اور شرعی دونوں لحاظ سے۔ اس دعوے کا مطلب یہ ہوا کہ ہندوؤں، عیسائیوں اور کفار کے ممالک میں دین آزاد ہے کیونکہ وہاں بھی نماز، اذان، اور وعظ و نصیحت پر پابندی نہیں ہے۔(الدررالسنیۃ: جزءالجہاد ص ۱۴۱)

ایک عالم نے اس بات کو یوں بیان کیا ہے: ''یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ نماز کا ادا کرلینا اور حج کے موقع پر لبیک کہہ لینے سے خدا کا حق اور توحیدِ باری تعالیٰ کا تقاضا پورا ہو گیا ہے خواہ دین کے باقی معاملات پر سکوت اختیار کرلے، دوسری طرف اسے اپنے دین کی سلامتی بھی اسی میں نظر آتی ہے۔ یاد رکھیں ہر سرکش گمراہ سے اظہارِ برأت کرنا، تمام مسلمانوں سے شدید محبت رکھنا اور کفار سے بغض وعناد رکھنے سے ہی دین کا اظہار ہوتا ہے۔''

اسی طرح ابوالوفاء بن عقیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جب تم کسی دور میں مسلمانوں کے ایمان کی حالت دیکھنا چاہو تو یہ دیکھو کہ وہ دشمنانِ اسلام سے کیسے پیش آتے ہیں۔ اگر اس میں مداہنت نہ ہو، کفار پر وہ سخت ہوں اور مومنوں سے شدید محبت رکھتے ہوں تو سمجھ لو ان کے ایمان کی حالت بہتر ہے۔ مسلمانوں کے دشمنوں سے دور رہو۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے مخالفین سے نفرت کرنا قربِ الٰہی کا افضل ترین ذریعہ ہے ان دشمنانِ اسلام سے ہاتھ زبان اور تمام اعضاء کے ساتھ بقدرِ استطاعت جہاد کرتے رہو''۔(الدررالسنیۃ: جزءالجہاد ص ۲۳۸)

تنبیہ

شرک اور اہلِ شرک سے اظہار برأت عقیدہ اسلام کا بنیادی عنصر ہے، اسلام اور اہل اسلام سے محبت کرنا، ان کی نصرت اور اعانت کرنا، ان کی خیر خواہی چاہنا اور متحد ہو کر رہنا اور اسکا برملا اظہار کرنا اس عقیدے کا لازمی تقاضا ہے۔

جب ہم اپنے مسلمان بھائیوں سے سخت لہجے میں بات کرتے ہیں تو بخدا اس کا مقصد محض اپنے ہم عقیدہ مسلمانوں کی اصلاح اور خیر خواہی ہی ہوتا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان کی مثال دوسرے مسلمان کے ساتھ ایسے ہے جیسے دو ہاتھ ہوتے ہیں اور ایک ہاتھ دوسرے کی اور دوسرا ہاتھ پہلے ہاتھ کی رگڑ رگڑ کر صفائی ستھرائی کر دیتا ہے، ہاتھوں کی صفائی کے دوران میں میل کچیل اتارنے کیلئے رگڑتے وقت بہرحال کچھ نہ کچھ تکلیف ہوتی ہے تو اس تکلیف سے مقصود ہاتھوں کو آلودگی سے پاک کرنا ہوتا ہے، بالکل اسی طرح ایک دوسرے کی اصلاح کرتے ہوئے (برمبنی حکمت) سختی سے بھی مقصود یہی ہوتا ہے۔

مسلمان کا مسلمان سے لاتعلق ہونا ہمارے ایمان کا حصہ نہیں ہے سوائے تین روز کے، ہر مسلمان کی ولایت اور نصرت کا حق دوسرے مسلمان پر رہتا ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص دائرہ اسلام سے ہی خارج ہو جاتا ہے تو پھر اس کا ولایت (دوستی) اور نصرت کا حق ختم ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں کو باہمی اتفاق اور محبت کا درس دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ (الانفال: ۷۳)

''اگر تم یہ نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہو گا۔''

بسا اوقات مسلمان کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے یا بدعات اور خرافات کا شکار ہو جاتا ہے یا کسی جاہلی تصور سے متاثر ہو جاتا ہے تو ان باتوں سے اس کا حق موالات (آپس میں دوستی اور نصرت) تو باقی رہتا ہی ہے ایک اور حق بھی شروع ہو جاتا ہے وہ یہ کہ دوسرے مسلمان اس کی اصلاح کریں۔ کبھی مسلمانوں کا کوئی گروہ اسلامی ریاست کے خلاف بغاوت کر لیتا ہے یا دو مسلمانوں کے گروہ برسرِپیکار ہو جاتے ہیں، اس ناگہانی صورت میں ہمیں اسلامی شریعت سے مکمل ہدایت مل جاتی ہیں کہ کس طرح دونوں گروہ بدستور مسلمان رہتے ہیں اور کس طرح ان میں عدل وانصاف اور شرعی احکام کی روشنی میں صلح کرائی جاتی ہے۔ البتہ مسلمانوں کی اِس باہمی لڑائی کا عنوان ارتداد اور اسلام سے سرکشی اور بغض نہیں ہونا چاہیے۔ ارتداد اور مرتد (جو مسلمان کفر کا مرتکب ہو کر دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے) کے احکام اور مسلمانوں کے آپس کی لڑائی جھگڑے کے احکام خلط ملط نہیں ہونے چاہیں۔

رہے وہ لوگ جن کی دوستی اور دشمنی کا معیار اسلامی عقیدہ نہیں بلکہ طواغیت کی خوشنودی حاصل کرنا ہے یا حکام کے ہاں کوئی عزت ومنزلت پانے کیلئے ہے تو وہ طاغوت کے خیر خواہ ہیں۔ ہم ایسے لوگوں سے کبھی موالات نہیں رکھ سکتے جس سے طاغوت کا سینہ ٹھنڈا ہو۔ خود ان کا یہ حال ہے کہ ان کا اسلام اور راسخ العقیدہ مسلمانوں سے بغض وعناد بالکل واضح ہے۔ ان کے اخبارات وجرائد اور الیکٹرانک میڈیا اس پر گواہ ہیں۔ بسا اوقات اس پروپیگنڈے کا شکار ہمارے سادہ لوح مسلمان بھی ہو جاتے ہیں، عام مسلمانوں کیلئے تو

شاید کچھ عذرات ہوں، حکام وقت کے بھی خواہ علماء بھی وہی اندازِ سخن اختیار کرتے ہیں جو سرکاری اخبارات میں ہر روز پڑھنے کو ملتا ہے۔ ملت ابراہیم کے اسوہ کو اپنانے والوں کے خلاف حکام کے ساتھ علماء وقت بھی شریک کار ہو جاتے ہیں۔ ان کے لئے وہی القابات استعمال کرتے ہیں جو سرکار نے انہیں نوازے ہوتے ہیں:۔ خوارج، باغی اور دہشت گرد. .مسلمانوں سے ان کی عداوت کفار سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ ہمارے بعض قابل احترام علماء ایسے بھی ہیں جو ملت ابراہیم کا نام لینے والوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ نوجوان برے نہیں ہیں صرف بہکاوے میں آئے ہوئے ہیں! ہمیں اِن القابات سے نوازتے ہوئے وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ کبھی ایک کلمہ انسان کو دوزخ کے اندر ستر برس کی مسافت تک دھکیل دیتا ہے۔

ملت ابراہیم کے عناصر رئیسہ

(الف) شرک اور اہل شرک اور ان کے معبودان باطلہ سے اظہار برأت۔

(ب) اللہ کو چھوڑ کر انسان ساختہ قوانین اور دساتیر کے متعلق پوری قوت سے یہ کہنا کہ وہ کفریہ ہیں۔

(ج) اس دشمنی اور عداوت کو اس وقت تک رکھنا جب تک وہ شرک اور اپنے خود ساختہ قوانین اور دساتیر کو باطل قرار دے کر اللہ کے دین میں داخل نہیں ہو جاتے ہیں۔ یہ وہی عقیدہ ہے جس کا اظہار اللہ تبارک وتعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے کروایا:۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيٓ إِبْرٰهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهٗ ۚ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ . . . (ممتحنہ:۴) ترجمہ:''(مسلمانو!) تمہارے لئے حضرت ابراہیم میں اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں۔ ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ ہم میں تم میں ہمیشہ کے لئے بغض وعداوت ظاہر ہوگئی...''

امام ابن قیم رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔ اس آیت میں اہل اسلام کو کفار سے دوستی سے منع کیا گیا ہے۔ جس کا یہ تقاضا ہے کہ جب تک وہ کفر پر رہیں ان سے برابر دشمنی اور عداوت رکھی جائے۔ (بدائع الفوائد)

شیخ محمد بن عتیق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عداوت (دشمنی) کو بغض سے پہلے بیان کیا ہے **وَبَدَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءُ** دشمنی اصل میں بغض کا اظہار ہے جسے ہر شخص محسوس اور جانچ سکتا ہے جبکہ محض دل میں نفرت رکھنے کو بغض کہتے ہیں۔ عداوت کا لفظ پہلے ذکر کرنے کا منشاء یہ ہے کہ جو چیز زیادہ اہم اور ضروری ہوتی ہے یا جس کے نظرانداز کر دینے کا اندیشہ ہوتا ہے اسے پہلے بیان کر دیا جاتا ہے۔ بنا بریں ابراہیم علیہ السلام کا یہ اسوہ نہیں ہے کہ محض دِل میں کفار اور ان کے معبودوں سے بغض رکھیں بلکہ اظہار بغض، دشمنی ان سے پہلے رونما ہوئی اور ساتھ ہی دِل کا اعتقاد البغضاء کو بھی بتلا دیا کہ دِل میں نفرت اور حقارت نے ان سے اظہار دشمنی کرایا تھا نہ کہ کسی دنیاوی غرض نے۔

اسحٰق بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔ شرک اور اہل شرک سے محض دِل میں نفرت رکھنا اللہ کے ساتھ ایمان کو مکمل نہیں کرتا بلکہ دِل میں جو نفرت اور بغض ہے اس کا دشمنی کی صورت میں اظہار سے ان سے برأت کا تقاضا پورا ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ سورہ ممتحنہ کی مذکورہ بالا آیت کے الفاظ وبدا بيننا وبينكم العداوة کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مشرکین کی تکفیر ببانگ دہل کرنا اور عملاً اُن سے لاتعلق رہنا اس آیت کا معنی اور مفہوم ہے۔

وہ مزید لکھتے ہیں: دِل، زبان اور اعضاء سے اظہار نفرت کو دشمنی کہتے ہیں، جہاں تک دِل میں بغض کا تعلق ہے تو کفار سے بغض ہونا تو ایمان کی شرط ہے، مومن کے دِل میں کفار سے نفرت تو ہوتی ہی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ اس کا اظہار کس طور پر کرتا ہے۔ (الدرر سنیہ، باب، جہاد)

کتاب التوحید کے شارح' مصنف فتح المجید، عبدالرحمٰن بن حسن آل شیخ فرماتے ہیں۔ سورہ ممتحنہ کو غور سے پڑھنے والا اس نتیجے پر پہنچے گا کہ انبیاء اور رسل کو جس توحید خالص پر کاربند رہنے کا حکم دیا گیا ہے، وہ ہے کیا! سورہ ممتحنہ کی اس آیت میں اُسے توحید پر چلنے والے کا اسوہ بھی مل جائے گا اور رسولوں کی مخالفت کرنے والوں سے بھی اس کا تعارف ہو جائے گا۔

محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں قریش کو توحید کا پیغام دیتے ہوئے آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ تمہارے معبود کسی کے کام آنے کے نہیں ہیں، نہ کسی کو کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی کسی کے لئے ضرر رساں ہو سکتے ہیں۔ یقیناً آپ ﷺ کی قوم نے اس بات کو اپنے معبودوں کیلئے گستاخی پر محمول کیا ہوگا۔ سو توحید یہ نہیں ہے کہ محض اللہ کو اپنا پروردگار اور معبود سمجھا جائے بلکہ اپنے زمانے کے اہل شرک سے اظہار برأت اور دشمنی کا اعلان بھی کرنا پڑے گا۔ سورہ مجادلہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَ هُمْ اَوْ اَبْنَآءَ هُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ط اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ط وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ط اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ط اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

''تم کبھی یہ نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ اُن لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کی ہے۔ خواہ وہ اُن کے باپ ہوں، یا اُن کے بیٹے، یا اُن کے بھائی یا اُن کے اہل خاندان، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دِلوں پر اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح عطا کر کے اُن کو قوت بخشی ہے۔ وہ اُن کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اِن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ وہ اللہ کی پارٹی کے لوگ ہیں، خبردار رہو، اللہ کی پارٹی والے ہی فلاح پانے والے ہیں۔''

اب اگر ہم اپنے زمانے میں توحید پرستوں کو دیکھیں تو ان میں کم ہی انبیاء اور رسولوں کی توحید کو پوری طرح سمجھنے والے ہوں گے۔ نبی علیہ السلام نے جس توحید کو پیش کیا اس کے نتیجے میں آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کو شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ قید وصعوبت کے مراحل سے گزرنا پڑا اور آپ ﷺ کے اصحاب کو ابتداء میں ہی دیار غیر' حبشہ میں ہجرت کرنے کی مجبوری لاحق ہو گئی تھی۔ اب اس بات میں تو شک وشبہ نہیں کہ نبی ﷺ سے زیادہ اپنے ساتھیوں پر مشفق اور رحم دل کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ آپ ﷺ کے سامنے صحابہ آزمائش سے گزرتے تھے۔ اگر اس سے کم توحید کی کوئی گنجائش اور رخصت ہوتی تو آپ ﷺ اُسے اپنے بہترین ساتھیوں کیلئے ضرور پسند فرماتے مگر آپ ﷺ پر جو قرآن اترا تھا اُس میں اِن خدشات کا تذکرہ موجود تھا اور آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی اِس اذیت کو سمجھتے ہوئے ایمان لائے تھے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ط (عنکبوت: ۱۰)

''لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ ہم ایمان لائے اللہ پر۔ مگر جب وہ اللہ کے معاملہ میں ستایا گیا تو اُس نے لوگوں کی ڈالی ہوئی آزمائش کو اللہ کے عذاب کی طرح سمجھ لیا۔''

الدرر السنیہ کے باب الجہاد میں اس آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں:۔ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی تھی جو مخالف اسلام گروہ کی تکالیف اور ایذا رسانیوں کو سہہ نہ سکتے تھے اور اُسے اس طرح تعبیر کرتے تھے گویا خدا کا عذاب ان پر ٹوٹ پڑا ہو، ان لوگوں نے محض شکوہ زبان پر لایا تھا عملاً مشرکین کا ساتھ نہ دیا تھا۔ اُن لوگوں کے بارے میں کیا خیال ہے جو اہل شرک کے حامی وناصر بنے ہوئے ہیں اور توحید پر چلنے والے مسلمانوں کے درپے آزار ہیں۔

شیخ عبدالرحمٰن بن حسن کی مذکورہ بالا تفسیر ہمارے زمانے پر پوری طرح منطبق ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں کا حکمران طبقہ کفار سے اظہارِ محبت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہے اور توحید پرستوں کا ناطقہ بند کرنے میں اپنی پوری سرکاری مشینری کھپا دیتا ہے۔

شیخ محمد بن عبداللطیف آل شیخ فرماتے ہیں:۔ اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لو، کسی بھی شخص کا اسلام اُس وقت تک معتبر نہیں ہے جب تک وہ نبی علیہ السلام کے دشمنوں سے بیر نہیں رکھتا اور اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لانے والوں کو اپنا دوست اور ولی نہیں سمجھتا۔

اس کے علاوہ وہ سورہ توبہ کی آیت ۲۳ کا حوالہ دیتے ہیں:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَ كُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ط

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے باپوں اور بھائیوں کو بھی اپنا رفیق نہ بناؤ، اگر وہ ایمان پر کفر کو ترجیح دیں۔''

برادران اسلام! تمام انبیاء اور رُسُل جس دین کو اپنی اپنی قوم کے سامنے پیش کرتے ہیں وہ عقیدہ الولاء اور البراء پر مشتمل ہے یہی ان کا منہاج اور اسوہ ہے۔ اس پر پورا قرآن اور رسول اللہ کی سیرت مطہرہ شاہد اور گواہ ہے۔

ایک اور مقام پر شیخ محمد بن عبداللطیف رحمہ اللہ لکھتے ہیں: توحید خالص تو یہی ہے جسے ہم اوپر بیان کر آئے ہیں یعنی کفار سے اظہار برأت کا اعلان کرنا۔ اب اگر کوئی جاہل کفار کی طرف سے نماز' روزہ اور حج کی اجازت کو اس بات پر محمول سمجھے کہ وہ دین پر چل رہا ہے تو وہ سمجھا ہی نہیں ہے کہ عقیدے کا اظہار کسے کہتے ہیں۔ بھلا جو شخص شرک اور اہل شرک سے بغض اور دشمنی پالتا ہوا' سے کفار اپنے شہروں میں کیسے چلتا پھرتا چھوڑ دیں گے۔ وہ یا تو اُس مار دیں گے یا پھر اُسے جلاوطن ہونا پڑے گا۔ جب کبھی عقیدے کا اظہار ہوا ہے' اس کا یہ نتیجہ ضرور نکلا ہے۔

سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ شعیب علیہ السلام سے پیش آنے والے معاملے کا ذکر کرتا ہے:۔

لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ط (آیت: ۸۸)

''(اے شعیب) ہم تجھے اور اُن لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے ورنہ تم لوگوں کو ہماری ملت میں واپس آنا ہوگا۔''

یہ وہی آفاقی عقیدہ ہے جسے غار والوں نے بھی بیان کیا تھا۔

إِنَّهُمْ إِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا (کھف: ۲۰)

''اگر کہیں اہل شہر کا ہاتھ ہم پر پڑ گیا تو بس سنگسار ہی کر ڈالیں گے، یا پھر زبردستی ہمیں اپنی ملت میں واپس لے جائیں گے۔''

اگر بنی علیہ السلام اپنی قوم کے معبودوں کو برا بھلا نہ کہتے تو کون ان صالح نفوس کو ان کے وطن سے ہجرت پر مجبور کر سکتا تھا۔ (الدرر سنیہ، باب، الجہاد)

سلیمان بن سحمان رحمہ اللہ سورہ ممتحنہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔ ملت ابراہیم تو یہی ہے جسے اِس آیت میں بیان کیا گیا ہے اب اگر کوئی اس طریقے پر نہیں چلنا چاہتا تو اُس کے لئے پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ (بقرہ: ۱۳۰)

اب کون ہے جو ابراہیم کے طریقے سے نفرت کرے، ماسوائے ایسے شخص کے جس نے خود ہی اپنے آپ کو حماقت اور جہالت میں مبتلا کر لیا ہو۔

یاد رکھیں ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ اللہ کے دشمنوں سے دشمنی کرے اِس دشمنی کا اظہار کرے، اُن سے ملنے ملانے سے جتنا دور ہو سکے اتنا دور رہے' اُن سے دوستی نہ لگائے نہ اُن کے ساتھ اٹھے بیٹھے نہ اُن سے ملنا جلنا رکھے۔ (جز جہاد، درر سنیہ)

ابراہیم علیہ السلام کے اظہار عداوت کو سورہ شعراء میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یوں بیان کیا ہے:

قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ (شعراء: ۷۵)

''کبھی تم نے (آنکھیں کھول کر) ان چیزوں کو دیکھا بھی جن کی بندگی تم اور تمہارے باپ دادا بجالاتے رہے؟ میرے تو یہ سب دشمن ہیں بجز ایک رب العالمین کے۔''

سورہ زخرف میں بھی ابراہیم علیہ السلام کے اظہار عداوت کو قرآن نے بیان کیا ہے:۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ (زخرف: ۲۷)

''یاد کرو وہ وقت جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ تم جن کی بندگی کرتے ہو میرا اُن سے کوئی تعلق نہیں۔ میرا تعلق صرف اُس سے ہے جس نے مجھے پیدا کیا، اور وہی میری رہنمائی بھی کرے گا۔''

عبدالرحمٰن بن حسن آل شیخ لکھتے ہیں: اللہ تبارک وتعالیٰ نے شرک اور اہل شرک سے برأت فرض کر دی ہے، اُن سے کفر کرنا، اُن سے دشمنی رکھنا اور اُن کے خلاف جہاد کرنا سب اہل توحید پر فرض ہے، اگر ایمان کی اس تعبیر کو کوئی بدل دیتا ہے تو اُس پر سورہ بقرہ کی یہ آیت تلاوت کرنا چاہیے:

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ.. (بقرہ: ۵۹)

''مگر جو بات کہی گئی تھی، ظالموں نے اُسے بدل کر کچھ اور کر دیا۔''

ہمارے مخالفین کی تجویز ہے کہ اظہار برأت دعوت کے میدان میں آخری چارہ کار کے طور پر بیان کرنا چاہیے۔ ابتداء میں ملنساری اور خوش گفتاری کا طریقہ ہی سودمند ہو سکتا ہے۔

اس اشکال کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے مخالفین ملت ابراہیم یا ابراہیم علیہ السلام کے اسوہ میں یہ فرق نہیں سمجھ سکے جو ایک کافر کو اسلام میں داخل کرنے کے لئے اپنایا جاتا ہے اور دوسرا کافروں کے دین اور ان کے معبودان باطلہ کا رد کرتے ہوئے انداز اختیار کیا جاتا ہے۔ وہ اہل کفار کو دعوت کے طریقہ کار اور ان کے دین اور معاشرتی قدروں اور ان کے معبودان باطلہ کے ساتھ کیا رویہ رکھا جائے دونوں کو خلط ملط کر دیتے ہیں۔ بلاشبہ دعوت کے منہاج میں اسلام سے برملا دشمنی کا اظہار کرنے والے کافر سے پیش آنے کا اور طریقہ ہے اور عام کافر کیلئے دعوت کا کیا اسلوب ہو، اس کا اور طریقہ کار ہے۔ اسی طرح کفار کے دین اور ان کے معبودوں سے جو درشت اسلوب اختیار کیا جاتا ہے، وہ الگ منہاج ہے، ان تینوں مخاطبین کیلئے ہمارے مخالفین نرم رویہ تجویز کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ نتیجہ محض ابراہیم علیہ السلام کے اسوہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔

جہاں تک اللہ رب العالمین کو اکیلا بلاشریک معبود اور الٰہ ماننے اور اس کا اعلان کرنے کا تعلق ہے اور اسی طرح غیر اللہ کے حق عبودیت کا انکار کرنے کا تعلق ہے تو یہاں دوٹوک اور واشگاف الفاظ میں اللہ رب العالمین کے لئے بندگی کا اعلان کرنا اور غیر اللہ کی بندگی کا انکار اور بغاوت کرنے میں ذرا بھی تردد نہیں کیا جائے گا کیونکہ دین کی اصل بنیاد ہی غیر اللہ کی بندگی کا انکار کرتے ہوئے اللہ رب العالمین کے لئے بندگی کا اعلان ہے۔ تمام انبیاء کرام کی دعوت کے یہی دو مرکزی عنوان رہے ہیں۔ اپنے وقت کے معبودوں کو چیلنج

کرتے ہوئے رب العالمین کی مطلق اطاعت اور بندگی۔

مذکورہ بالا اشکال کا ازالہ اگر مندرجہ ذیل دو باتوں سے اور کرلیا جائے تو انبیاء کرام کا منہاج بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

(اول) تمام طواغیت اور اپنے زمانے کے تمام معبودوں کا انکار کرنا شروع میں ہی فرض ہے، اسے کسی صورت میں موخر نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کا اعلان کرنا ہی اول روز سے مشروع ہے۔

(دوم) جب طواغیت اور اپنے زمانے کے معبودوں کو باطل قرار دے دیا جائے تو اس کے نتیجے میں اہل شرک میں سے جو لوگ ان معبودوں اور طواغیت کی عبادت پر مصر رہیں تو پھر ان سرگرم مشرکوں کو بھی گم راہ کہا جائے۔

اگلی سطور میں ہم ان دو نقاط کو تفصیل سے بیان کریں گے۔

(اول) طواغیت کا انکار:۔

اللہ کے علاوہ عبادت کی اقسام میں سے کوئی عبادت جن جن ہستیوں کی جناب کی جاتی ہو، اُس کا دوٹوک اور واضح انکار کرنا۔ طواغیت چاہے پتھر سے تراشے ہوئے صنم ہوں یا خدا کی مخلوقات میں سے کوئی بڑی، چھوٹی مخلوق، خورشید سحر، درگاہ اعلی حضرت' متبرک درخت یا گھاٹ ... یا انسانوں کا بنایا ہوا قانون' یہ سب کے سب طواغیت ہیں ان سب سے بیر پال لینا ملت ابراہیم کا منہاج ہے۔ تمام انبیاء کرام کی دعوت کا نمایاں عنوان، معبودان باطلہ کے خلاف کھڑے ہو جانا، ان سے اظہار نفرت کرنا، اور ان کی عیب جوئی کرنا ہے:۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوْا الطَّاغُوْتَ ج (النحل: ۳۶)

''ہم نے ہر اُمت میں ایک رسول بھیج دیا، اور اُس کے ذریعے خبردار کر دیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔''

دیکھو ابراہیم علیہ السلام اپنے عزیز و اقارب سے کیا کہتے ہیں:۔

قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ ز (انعام: ۷۸)

''برادران قوم! میں اُن سب سے بیزار ہوں جنہیں تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔''

ان کا اپنی برادری سے جھگڑا ہی ایک تھا، اول روز سے لے کر وطن کو خیر باد کہنے تک۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھِیْمُ لِاَبِیْہِ وَقَوْمِہٖٓ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّہٗ سَیَھْدِیْنِ ۝ (زخرف: ۲۶، ۲۷) ''یاد کرو وہ وقت جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ تم جن کی بندگی کرتے ہو میرا اُن سے کوئی تعلق نہیں ہے، میرا تعلق صرف اُس سے ہے، جس نے مجھے پیدا کیا، وہی میری رہنمائی بھی کرے گا۔''

وہ جو کلہاڑا لے کر طاغوتوں پر ٹوٹ پڑتا تھا۔

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ ھٰذَا بِاٰلِھَتِنَآ اِنَّہٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًی یَّذْکُرُھُمْ یُقَالُ لَہٗٓ اِبْرٰھِیْمُ ۝ (انبیاء: ۵۹، ۶۰)

''انہوں نے آ کر بتوں کا یہ حال دیکھا تو کہنے لگے، ہمارے خداؤں کا یہ حال کس نے کر دیا؟ بڑا ہی کوئی ظالم تھا وہ، بعض لوگوں نے کہا ہم نے ایک نوجوان کو اِن کا ذکر کرتے سنا تھا۔ جس کا نام ابراہیم ہے۔''

نبی آخرالزمان کی ابتدائی دعوت بھی مکہ کے طاغوتوں کو للکارنے سے شروع ہوئی تھی۔ لات، منات، عُزی (اہل مکہ کے طواغیت) کی اہانت جب قرآن بن کر عربی، فصیح و بلیغ زبان میں اترتی تھی تو اِن اہانت آمیز آیات کو پھیلنے سے قریش کے سردار روک نہیں سکتے تھے۔ عرب اپنی زبان کو سمجھنے اور اس کی قدر کرنے والے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اُس وقت کے آلہہ کو منصب الوہیت سے گرانے والی آیات کو (مصلحت دعوت) کے پیش نظر چھپایا نہ تھا۔ یہ آپ ﷺ کا منصب ہی نہ تھا کہ ترتیب نزولی کو موٴخر کرتے۔ ہر داعی اسلام مصلحت دعوت کو نبی آخرالزمان سے سیکھے۔ انسان ساختہ قوانین اور انہیں چلانے والی حکومتیں، نبوی دعوت کی منتظر ہیں۔ اس وقت کی حکومتیں عیار ہیں، یہ خدائی کا دعویٰ نہیں کرتی ہیں لیکن ان کی حیثیت لات، منات اور عُزّی والی ہے۔ ان سے اظہار برأت کرنا اور اس کی دعوت عام دینا ہی حقیقت دین ہے۔ کیا کوئی مصلحت اس سے بڑھ کر بھی ہوتی ہے کہ اللہ کے حق پر کوئی براجمان ہو اور اس کے خلاف کلمہ شہادت نہ پڑھا جائے۔

کیا آزمائشیں اور مصائب صرف دُنیا حاصل کرنے کیلئے جھیلے جاتے ہیں۔ لا اِلٰہ اِلَّا اللہ کا جیتا جاگتا مفہوم مسلمانوں کی اکیلی شناخت بنا لینا انبیاء کرام کا اسوہ ہے۔

کیا حکومت کے ہاتھ لگنے تک طواغیت کا انکار موٴخر رکھا جائے گا؟! نبی آخرالزمان، کیا مکہ میں برسر اقتدار تھے۔ مکہ کے ناتواں مسلمان کیا بتوں کو للکارا نہیں کرتے تھے۔ مکہ کی گلیوں اور چوراہوں پر کسے نشانہ تنقید بنایا جاتا تھا۔ بے سروسامان اور نہتے مسلمانوں کی ٹولی سارے ملک عرب میں تنہا ہوگئی تھی۔ داعیانِ اِسلام اور علمائے عِظام مصلحت ...... مصلحت کہتے رہتے ہیں، آخر وہ کس دین کے نفاذ کیلئے حکومت پانے کے منتظر ہیں، وہ دین جو نہ کبھی اُن کے کردار سے چھلکا اور نہ کبھی گفتار سے، حکومت پانے کے بعد آپ

کس طرح ایک ایسے دین کو نافذ کردیں گے جو آپ کے عوام نے آپ سے سنا ہی نہیں ہوگا! اس پر نہ وہ آمادہ ہوں گے اور نہ اُس ابراہیمی منہج کو وہ پہنچاتے ہی ہوں گے۔قوم اور اس کے داعیان انسان ساختہ قوانین پر راضی بہ رضاء ہیں، اگر وہ کبھی برسر اقتدار آ بھی جائیں تو انہیں قوانین کے زینے پر کھڑے ہوں گے۔ کیا وہ اپنے پیروں سے خود ہی زینہ کھینچ لیں گے!

ہم جب انسان ساختہ قوانین کو کفر کہتے ہیں تو داعیانِ اسلام گھبرا جاتے ہیں کہ پھر حاکمِ وقت کی تکفیر بھی کرنا پڑے گی جو بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے والی بات ہے۔ دعوت کے مراحل میں یہ دو الگ الگ موضوع ہیں۔ غیر اللہ کے بنائے ہوئے قوانین، جن کا احترام لوگوں کے دِلوں میں راسخ ہو جاتا ہے، اس کی عظمت دلوں سے نکالنا، دینِ اسلام کی اساس ہے۔لیکن حُکام کی تکفیر کرنا اور کفریہ قوانین کا انکار کرنا دونوں میں راست تناسب نہیں ہے۔ ایک عقیدے اور ایمان کا مسئلہ ہے اور دوسرا اپنے گرد وپیش سے پیش آنے کا مسئلہ ہے۔

(دوم) اہلِ شرک سے برتاؤ:۔

امام ابن قیمؒ اغاثۃ اللھفان میں لکھتے ہیں:۔شرکِ اکبر سے صرف وہی شخص بچ سکتا ہے جو اپنی تمام عبادات کو اللہ کے لیے خالص کرے، اور اہل شرک سے اللہ ہی کے لئے عداوت رکھے۔ابن قیم ﷫ اپنے استاد شیخ الاسلام ابن تیمیہ ﷫ کے حوالے سے فرماتے ہیں، اہلِ شرک سے عداوت رکھنا، ان کے معبودوں سے عداوت رکھنے پر مقدم ہے۔ یہی بات شیخ حمد بن عتیق ﷫ سورہ ممتحنہ کی تفسیر میں بھی لکھتے ہیں:۔ إذ قالوا لقومهم إنا برء اء منكم وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ میں شرک کرنے والے افراد سے اظہار برأت ان کے معبودوں سے پہلے ذکر کیا گیا ہے جس میں یہ نکتہ ہے کہ اہل شرک سے برأت ان کے اصنام سے برأت پر مقدم ہے۔اہل شرک کی برأت سے خود بخود معبود کی بھی برأت ہو جاتی ہے جیسے سورہ مریم میں ابراہیم علیہ السلام شرک کرنے والوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:۔

وَاَعۡتَزِلُكُمۡ وَمَا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللهِ (مریم:۴۸)

’’میں آپ لوگوں کو بھی چھوڑتا ہوں اور اُن ہستیوں کو بھی جنہیں آپ لوگ خدا کو چھوڑ کر پکارا کرتے ہیں۔‘‘

توحید کا دعویٰ کرنے والے اس ترتیب کو خوب سمجھ لیں۔اصحاب کہف کو بھی ان کی اسی توحید نے جاوداں بنا دیا ہے:۔

وَ اِذِ اعۡتَزَلۡتُمُوۡهُمۡ وَمَا يَعۡبُدُوۡنَ ..(کہف:۱۶)

’’اب جبکہ تم اِن سے اور ان کے معبودان غیر اللہ سے بے تعلق ہو چکے ہو......‘‘

شرک سے خود بچنا اور اہل شرک کے شرک پر خاموشی اختیار کرنا اُسے اسلام میں داخل نہیں کرتا وہ تمام انبیاء کے دین کے برخلاف توحید کے اپنے مفہوم سے انبیاء کے دین میں داخل نہیں ہوسکتا۔اھ

شیخ عبداللطیف بن عبدالرحمٰن دررسنیہ میں لکھتے ہیں:۔ بسا اوقات ایک شخص شرک سے نکل کر توحید کا شیدائی بن جاتا ہے، مگر اس کی توحید کا ایک گوشہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ اس کے اقرار توحید کا مول نہیں پڑنے دیتا، توحید کی محبت اُس سے اہل شرک سے برأت بھی نہیں کراتی اور اہل توحید کی نصرت پر بھی اُسے نہیں اٹھاتی۔جس عمارت کو وہ بنا رہا تھا، اس کا ستون خود ہی گرا دیتا ہے پھر کیا توحید اور کیا توحید کے تقاضے۔ جو ایمان اللہ کے ہاں پسندیدہ تھا وہ توالحب في الله سے عبارت تھا۔توحید کا یہی مفہوم کلمہ شہادت کی حقیقت ہے۔اھ

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:۔اللہ کی قربت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اہل شرک سے نفرت، بغض، دشمنی اور ان کے خلاف جہاد کرنا۔نجات کی صورت مؤمنین کی صف میں شامل ہو کر اہل شرک کے خلاف کھڑا ہونا ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اس کی توحید میں بقدر مؤمنین سے دوستی میں کمی اور اہل شرک سے دوستی جوڑنے کے بقدر کمی ہوتی جائے گی۔ دوستی کی نزاکت کو سمجھو، یہ کبھی تمہارے اسلام کو ہی لے ڈوبتی ہے!

محمد بن عبدالوہاب ﷫ فرماتے ہیں: ایک مؤمن کو اِس بات کی دوٹوک لفظوں میں وضاحت کرنی ہوگی کہ وہ اہل ایمان کے ٹولے میں ہے۔وہ انہیں مضبوط بھی کرتا ہے اور خود اہل ایمان سے قوت بھی پکڑتا ہے۔ وہ اس طرح تمام طاغوتوں کے لئے ایک کھلا پیغام چھوڑتا ہے کہ وہ اس گروہ کا نمائندہ ہے جو ان سے برسر پیکار ہے۔اھ

شیخ حسن اور شیخ عبداللہ آل شیخ محمد بن عبدالوہاب سے کسی سائل نے پوچھا اُس شخص کا اسلام کیسا ہے جو اہل اسلام سے محبت تو کرتا ہے لیکن اہل شرک سے نفرت نہیں کرتا، یا نفرت بھی کرتا ہے مگر کافر نہیں کہتا۔

شیخین نے فرمایا: ایسا شخص غیر مسلم ہے۔اُس پر قرآن کا یہ فرمان صادق آتا ہے:

.. وَيَقُوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّ نَكۡفُرُ بِبَعۡضٍۙ وَّ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّتَّخِذُوۡا بَيۡنَ ذٰلِكَ سَبِيۡلًاۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ حَقًّا ۚ وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ

عَذَاباً مُّهِيْناً ﴿ (نساء: ۱۵۱)

''کہتے ہیں ہم کسی بات پر ایمان لائیں گے اور کسی بات پر نہیں، وہ کفر اور ایمان کے بیچ میں ایک راہ نکالنے کا ارادہ رکھتے ہیں، وہ سب پکے کافر ہیں اور ایسے کافروں کیلئے ہم نے سزا مہیا کر رکھی ہے جو انہیں ذلیل وخوار کر دینے والی ہوگی۔''

جہاں تک دعوت کا تعلق ہے تو یقیناً اس بات کا خیال کیا جائے گا کہ جن لوگوں کے اسلام قبول کرنے کا امکان ہے اور ان کی تالیف قلب مطلوب ہے وہاں ایک داعی اظہار برأت سے اجتناب کرے گا، البتہ دل سے ہر مشرک کیلئے محبت کے جذبات کو یکسر نکال باہر کرنا واجب ہے۔

ہم جس بات کی وضاحت کر رہے ہیں وہ اظہار برأت سے متعلق ہے، دل میں اہل شرک سے نفرت تو ایمان کا لازمہ ہے، اسلام کی دعوت خوب صورت پیرائے میں دینا خود اسلام ہی کا تقاضا ہے۔ جب تک اُن کے اسلام قبول کرنے کی اُمید ہو اُس وقت تک دعوت کو نت نئے انداز سے پیش کرنا اسلام کا آپ سے تقاضا ہے۔ آپ کے حُسن معاشرت سے وہ اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں تو وہ ہمارے دینی بھائی ہیں اور انہیں اسلام کے وہ تمام حقوق حاصل ہو جاتے ہیں جن سے وہ پہلے محروم تھے۔ دعوت کے تمام اسلوبِ ان کے عناد اور سرکشی کے سامنے ناکام ہو جاتے ہیں۔ وہ اسلام کے مخالف گروہ میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اپنے باطل دِین کو برحق کہنے پر اصرار کرتے ہیں۔ اِس کھلی جنگ کے بعد دعوتی اسلوب سے چمٹے رہنا بزدلی بھی ہے اور انبیاء کے طریقے کے بھی خلاف ہے۔ اگر اس موقع پر ان سے اظہار برأت نہیں کیا جائے گا تو پھر داعیانِ حق کے مرکھپ جانے کے بعد اظہار برأت کیا جائے گا۔ یہاں اس موقع پر دو گروہ بن جاتے ہیں حزب اللہ اور حزب الشیطان۔ آپ کس گروہ میں شمار ہونا چاہتے ہیں۔ دعوتی اسلوب کی غرض وغایت بھی یہی تھی کہ حزب اللہ میں اضافہ ہو اور وہ طاقتور ہو جائے اب نہ صرف حزب اللہ کی تعداد میں اضافے کا امکان رہا ہے اور نہ دونوں گروہوں میں مڈبھیڑ ہونے کو کوئی روک سکتا ہے۔

دونوں سرحدوں میں لطیف فاصلہ ہے حزب اللہ کی طاقت بڑھانے کیلئے تگ ودو کرنا اور اس کیلئے خوب صورت پیراؤں کا ایک سے بڑھ کر ایک انداز اختیار کرنا اور جب آن پڑے تو اظہار برأت کے لئے بھی ایک سے بڑھ کر ایک انداز اختیار کرنا، دونوں اسلوب انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہیں۔ آپ ﷺ مشرکوں کی ہدایت کیلئے دُعا بھی کرتے تھے اور ان کے خلاف جہاد بھی کرتے تھے۔ ابراہیم علیہ اسلام نے بھی اپنے باپ کو دعوت دینے کے بعد برأت کر لی تھی۔ سورہ توبہ میں باپ بیٹے میں تلخی کا ذکر اس طرح بیان ہوا ہے:۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ اَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ (۱۱۴)

''جب اُس پر یہ بات کھل گئی کہ اس کا باپ خدا کا دشمن ہے تو وہ اُس سے بیزار ہو گیا۔''

جب تک باپ کے ایمان لانے کی اُمید تھی اُس وقت تک اُن کا انداز نرم اور ادب واحترام کے پیرائے میں تھا۔

يٰۤاَ بَتِ اِنِّىْ جَآءَ نِىْ مِنَ الْعِلْمِ (مریم:۴۳)

''اباجان میرے پاس ایک علم (روشنی) ہے۔''

اسی طرح ایمان نہ لانے کی صورت میں دردناک انجام بھی بتاتے ہیں لیکن اسلوب میں حد درجے سنجیدگی اور متانت اور احترام ہے:۔

يٰۤاَبَتِ اِنِّىْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ .. (مریم:۴۵)

''اباجان مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ رحمان کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔''

موسیٰ علیہ السلام کو بھی دعوت کے مرحلے میں نرم گفتاری کی تلقین کی جاتی ہے:۔

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى [طٰہٰ:۴۴]

''اُس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا، شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے۔''

اللہ پر ایمان لانے کی اہمیت بتانے کیلئے فرعون سے فرماتے ہیں:

فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰۤى اَنْ تَزَكّٰى ۞ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۞ (النازعات:۱۸،۱۹)

''کیا تو اس کے لئے تیار ہے کہ پاکیزگی اختیار کرے اور میں تیرے رب کی طرف تیری رہنمائی کروں تو اس کا خوف تیرے اندر پیدا ہو۔''

نرم روی بے اثر ہوئی۔ اُس کے بعد یکے بعد دیگرے معجزات دکھائے گئے مگر اُس ہٹ دھرم پر کچھ اثر نہ ہوا تو اُس کے ساتھ ہی موسیٰ علیہ السلام کے اسلوب میں بھی شدت آجاتی ہے:۔

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتُ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّکَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿ (اسراء:۱۰۲)

''(موسیٰ u نے کہا) تو خوب جانتا ہے کہ یہ بصیرت افروز نشانیاں رب السماوات والارض کے سوا کسی نے نازل نہیں کی ہیں اور میرا خیال یہ ہے کہ فرعون، تو ضرور ایک شامت زدہ آدمی ہے۔''

پھر اللہ کے لئے محبت اور اللہ کے لئے عداوت، موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ اٹھواتی ہے اور وہ بددُعا دیتے ہیں:۔

وَقَالَ مُوْسٰی رَبَّنَآ اِنَّکَ اٰتَیْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَہٗ زِیْنَۃً وَّاَمْوَالًا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَالا رَبَّنَا لِیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِکَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓی اَمْوَالِھِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ۝ (یونس: ۸۸)

''پھر ایک وقت موسیٰ u نے یہ بھی کہا اے ہمارے رب تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دُنیا کی زندگی میں زینت اور مال وزر سے نواز رکھا ہے، اے رب کیا یہ اس لئے ہے کہ وہ لوگوں کو تیری راہ سے بھٹکائیں؟ اے رب! ان کے مال غارت کر دے اور ان کے دلوں پر ایسی مہر کر دے کہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔''

ہر داعی کو یہ سبق سیکھنا ہوگا کہ کہاں نرم روی اسلام کے لئے فائدہ مند ہے اور کہاں شدت اسلوب سے اپنے عقیدے اور ایمان کی سچائی بتلانا اور اس کے خلاف ذرا سی بات برداشت نہ کرنے کا فیصلہ کرنا ہے۔ جہاں آپ سے شدت کا مطالبہ ہو وہاں آپ نرم روی سے اسلام کا حلیہ بگاڑ رہے ہوں او انبیاء کی سیرت سے صرف وہی مقامات ڈھونڈ ڈھونڈ کر لا رہے ہوں جن میں نرمی پائی جاتی ہو۔ کیا یہ اس نرمی کا نتیجہ نہیں کہ ہمارے گردو پیش بُرائی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ علماء اور صلحاء پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا ہے۔ انہیں کسی الزام میں دھرنے کے بہانے ڈھونڈے جاتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے سرکاری مخبران کی جاسوسی کرتے رہتے ہیں، دوسری طرف بُرائی پھیلانے والوں کو سرکاری تحفظ اور تمام ذرائع میسر کئے جاتے ہیں۔ ابلاغ عامہ کے تمام وسائل برسر اقتدار طبقے کے گن گانے کیلئے مخصوص ہیں حالانکہ انہیں اہل وطن کی جان و مال، عزت وآبرو اور اللہ کی حدود کا کوئی پاس نہیں ہے۔ انسان ساختہ قوانین لوگوں پر نافذ کرتے ہیں۔ اس طبقے کے ساتھ نرم روی انبیاء کی تو سنت نہیں ہے ہاں اسے مداہنت اور چاپلوسی ضرور کہتے ہیں۔ یہاں آپ سے شریعت کا یہ مطالبہ تھا کہ آپ ان کے قوانین اور ان کی معاشرتی قدروں سے اظہار برأت کرتے اور کہتے کہ ہماری اور تمہاری راہیں جدا ہیں۔ یہاں تک کہ تم اکیلے اللہ رب العالمین کے مطیع وفرماں بردار بن جاؤ۔

عوام الناس پر واضح کرنا ہوگا کہ اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر کسی اور دستور کو نافذ کرنے والے طواغیت ہوتے ہیں ان سے محبت کرنا اور ان کے قوانین کا احترام کرنا حرام ہے۔ جو محکمے باطل نظام کا تحفظ کرتے ہیں ان میں ملازمت کرنا حرام ہے جیسے محکمہ دفاع (فوج) اور انتظامیہ (پولیس) جو ہر نظام کے بنیادی ستون ہوتے ہیں۔

تم سلف صالحین کے طرز عمل کو دیکھو۔ اُس وقت حکمران طبقہ شریعت سے کچھ اتنا آزاد بھی نہیں ہوا تھا لیکن اس کے باوجود وہ حکمران طبقے سے میل ملاپ نہیں رکھتے تھے۔ اس کے بلانے اور ڈرانے دھمکانے یا مال وزر کے لالچ دینے کے باوجود ملاقات کو نہ جاتے تھے۔ اب تم اپنے زمانے کے ان علماء کو دیکھو جو حکمرانوں سے ملاقات کو سعادت اور خوش بختی سمجھتے ہیں۔ وہ اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ ان کی رسائی اعلیٰ طبقے تک ہو جائے۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ، عباد بن عباد رحمہ اللہ کو اپنے مراسلے میں لکھتے ہیں: خبردار، امراء سے قربت نہ رکھنا۔ شیطان تمہیں سمجھائے گا کہ سلطان سے راہ رسم بڑھانا دین کی مصلحت ہے۔ تم اس طرح مظلوم کی دادرسی کر پاؤ گے۔ یاد رکھو یہ شیطان کی چال ہوگی۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ مظلوم کی دادرسی کیلئے حکمرانوں سے راہ رسم بڑھانے کو شیطان کی چال بتاتے ہیں۔ ہمارے زمانے میں تو علماء کرام سے زیادہ کام دین کی غلط تشریح کرنے کا لیا جاتا ہے۔

محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔ اہل بدعت کے پاس بیٹھنے والا تین گناہوں میں سے ایک کا ضرور مرتکب ہوتا ہے۔ اہل بدعت جیسے کام کرنے لگے گا یا اُسے ان کا طریقہ اچھا لگنے لگے گا، یا وہ یہ تاویل کرے گا کہ میں ان کی باتوں میں آنے والا نہیں ہوں۔ ائمہ کرام کی یہ رائے اہل بدعت کی مجلس میں بیٹھنے والے کے متعلق ہے جو ان لوگوں کی مجلس میں بیٹھے جو غیر اللہ کی شریعت اللہ کے بندوں پر نافذ کر کے مرتد ہو گئے ہیں ان کی بابت کیا خیال ہے۔ سورہ ھود میں آپ ﷺ کو کہا جاتا ہے:۔

وَلَا تَرْکَنُوْٓا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُلا وَمَالَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ اَوْلِیَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ (ھود: ۱۱۳)

''ان ظالموں کی طرف ذرا نہ جھکنا ورنہ جہنم کی لپیٹ میں آ جاؤ گے اور تمہیں کوئی ایسا ولی اور سرپرست نہ ملے گا جو خدا سے تمہیں بچا سکے اور کہیں سے تمہیں مدد بھی نہ پہنچ پائے گی۔''

بزدلی اور گمراہ لوگوں کے معیت میں رہ کر دین کی کس مصلحت کا حق ادا ہو پاتا ہے!

'لا ترکنوا' سے اکثر مفسرین نے معمولی میلان کا ہونا مراد لیا ہے۔

مفسر قرآن ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل شرک سے محبت اور نرم روی نہ رکھو، یہی ان کی طرف مائل ہونا ہے۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کفار کو قلم دوات یا کاغذ فراہم کرنا ان کی محبت پر دلالت کرتا ہے۔

شیخ حمد بن عتیق رحمہ اللہ کہتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے دشمنوں سے نرم کلامی کو برداشت نہیں کرتا اور انہیں جہنم کی آگ سے ڈراتا ہے۔

شیخ عبداللطیف بن عبدالرحمٰن لفظ 'رکون' کی وضاحت کرتے ہوئے مفسرین کے اقوال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شرک اللہ کی معصیت میں سب سے بڑی معصیت ہے۔

جب اہل شرک کی طرف جھکاؤ پر اتنی وعید ہے تو اللہ کی آیات کا مذاق اڑانا، اس کی اتاری ہوئی شریعت اور احکام معزول ہوں اور اس کی جگہ ایسے قوانین نافذ ہوں جو عدل وانصاف پر مبنی شریعت کے خلاف اور اس کو ضِد ہوں۔ بلاشبہ جس کے دِل میں ذرا برابر بھی اللہ اور اس کے رسول کے لئے غیرت موجود ہے وہ اسے بدترین کفر اور بدترین گمراہی کہے گا۔ اس کی غیرت ایمان ہر مجلس، ہر ممبر اور ہر پلیٹ فارم پر اُس سے شریعت کے مخالف ضابطہ حیات کا انکار کرائے گی اور وہ اس پر برأت کا اظہار کرے گا۔ دشمن کے خلاف یہی وہ جہاد ہے جس کا حکم دیا گیا ہے۔

اللہ کے اس دِین کو لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کرنے کی سعادت حاصل کرو، اس دِین کو اپنا اوڑھنا بچھونا بناؤ اور دوسرے ضابطہ حیات کی مذمت کرتے رہو اور جو دوسرے ضابطہ حیات کو ماننے والے ہیں ان سے برأت کرتے رہو۔ جو ان کے ضابطہ حیات کو مضبوط کرنے والے ذرائع ووسائل ہیں انہیں پوری شدت سے توڑ ڈالو۔ اس قسم کی برأت کر کے ہی وہ اس حزب اللہ میں شمار ہوگا جو اُن سے مل کر اللہ کی دین کے پاسبان بن جاتے ہیں۔

محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں'بھائیو! دِین کی بنیاد کو مضبوطی سے تھام لو، یاد رکھو دین اسلام کا کلی انحصار لا الٰـــہ الاَّ اللہ کی شہادت پر موقوف ہے۔ اس کلمہ کے معانی کو سمجھو، اس کلمہ سے محبت کرو۔ اس کلمہ پر چلنے والوں کے گروہ میں شامل ہو کر اسے مضبوط کرو وہ تمہارے رشتے داروں سے بھی زیادہ محبت کے حق دار ہیں۔ اس کلمہ کو جان لینے سے تم طواغیت سے نفرت کرتے ہوئے ان کی تکفیر کرو گے ان سے دشمنی رکھو گے۔ جو طواغیت سے محبت رکھتے ہوں گے تم اُن سے بھی دشمنی کرو گے، جو طواغیت کے لئے دلائل لاتا ہوگا تم اُس سے بیر رکھتے ہو گے۔ جو طواغیت کی تکفیر نہیں کرتا ہوگا وہ بھی انہیں میں گنا جائے گا، یا جو یہ کہے کہ میری بلا سے، مجھے کیا پڑی ہے کہ کسی سے دشمنی اور نفرت رکھوں۔ کیا میں نے سارے جہان سے نفرت کرنے کی ذمہ داری لے رکھی ہے۔ مجھے کیا اللہ نے یہ حکم دیا ہے! ایسا شخص اپنے آپ کو لاتعلق کرنے میں قطعاً حق بجانب نہیں ہے۔ وہ اللہ پر بہتان باندھتا ہے کہ اُس نے لا الٰـــــہ الاَّ اللہ کی شہادت نہ دینے والوں سے نفرت اور عداوت کا حکم نہیں دیا ہے۔ یقیناً ہر مسلمان سے اُس کے رب کا یہ مطالبہ ہے کہ وہ کفار سے نفرت کرے اُن سے دشمنی رکھے اُن کی تکفیر کرے اور اُن سے اظہار برأت کرے، خواہ وہ اُس کے خونی رشتہ دار ہوں' اُس کے والدین، بھائی بند یا آل اولا دہی کیوں نہ ہوں۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو۔ اس کے بعد ہی اُمید کی جانی چاہیے کہ تم اپنے رب سے جب ملو گے تو تمہارے نامہ اعمال میں لکھا ہوگا کہ یہ شخص شرک سے بچ کر رہا ہے۔ (مجموعۃ التوحید)

انتباہ

تمام تفاصیل کے بعد باخبر رہیے کہ ملتِ ابراہیمی کے قیام اور نصرتِ دین کے لئے خفیہ سرگرمیاں اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ دین کا اظہار اور خفیہ منصوبہ بندی باہم متضاد نہیں ہیں۔ سیرت میں خفیہ منصوبہ بندی اختیار کرنے کے بے شمار دلائل موجود ہیں۔ جہاں تک دعوت الی اللہ کا تعلق ہے تو وہ بہرالحال برسرعام دی جائے گی' البتہ خفیہ سرگرمی اور منصوبہ بندی شروع سے ہی کر لینی چاہیے ورنہ بعد میں دعوت کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ یہ بات از حد ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق دعوت الی اللہ کا کام دنیا میں برسرعام ہوتے رہنا چاہیے' آپ ﷺ نے فرمایا:

((لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق))

''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہتے ہوئے اُس کی طرف دعوت دیتا رہے گا''(رواہ مسلم)

طاغوت کے خوف سے دعوت ہی کو چھپا دینا' یا حکمرانوں کا قرب حاصل کرنے کے لئے یا عہدوں پر ترقی کے لیے ایسا طرزِ عمل اختیار کرنا سیرت سے قطعاً ثابت نہیں ہے۔ البتہ موجودہ تنظیموں کا طریقہ کار یہی ہے۔ اس طریقہ پر چل کر کامیابی کی امید رکھنے والوں سے اپنا راستہ ابھی سے جدا کر لیں اور اُن سے کہیں

'' لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ'' یعنی ہمارا اور تمہارا دین جدا جدا ہے۔ دوسرے لفظوں میں دعوت وتبلیغ علانیہ اور اُس کی منصوبہ بندی خفیہ ہوگی۔

مذکورہ بالا وضاحت اس وجہ سے کرنا پڑی ہے کہ بعض افواہیں پھیلانے والے اور حق کو صحیح طور پر نہ سمجھنے والے اپنی جہالت کی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ تم جس منہج کی دعوت دیتے ہو اس پر چل کر ہمارا سارا منصوبہ کھل کر سامنے آ جائے گا' تمہاری جلد بازی دعوت کے ثمرات وفوائد ضائع کر دے گی۔ ایسے لوگوں کے لئے پہلا جواب

تو یہ ہے کہ ''تمہارے یہ ثمر آور خیالات اس وقت تک نتیجہ خیز نہیں ہوں گے جب تک تم نبیؐ کے طریقے پر اپنے پیڑوں کی آبیاری نہ کرو گے۔اس طریقہ دعوت کے بے ثمر ہونے پر موجودہ دور کی تبلیغی کوششیں ایک بڑی دلیل ہیں کیونکہ ہمیں مسلمانوں کی نسلِ نو جہالت اور حق و باطل میں التباس کا شکار نظر آتی ہے۔ان کو ولاء والبراء، (دوستی دشمنی) کا فرق بھی معلوم نہیں ہے اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ قائدین حق کا اظہار اُس طرح نہیں کر رہے ہیں جس طرح انبیاءؑ کا طریقہ تھا' اگر یہ دعوتِ حق کو صحیح طرح بیان کرتے اور ان کو انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح مصائب سے دوچار ہونا پڑتا تو لوگوں پر حق واضح ہو جاتا' اہل حق و باطل نکھر کر سامنے آجاتے۔اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچ جاتا خاص طور پر موجودہ دور میں اہم ترین مسائل سے جہالت کا پردہ ہٹ جاتا جیسا کہ مشہور مقولہ ہے کہ ''جب علماء اظہارِ حق کے وقت خاموش رہیں اور جہلاء اپنی جہالت پر مبنی موقف اختیار کریں' تو پھر حق ظاہر ہو گیا! بھلا اس طرح حق کیسے ظاہر ہوگا؟ جب اللہ تعالیٰ کا دین بھی ظاہر نہیں ہو رہا اور، توحید عملی واعتقادی کا علم لوگوں کو نہیں وہ کون سے فوائد وثمرات ہیں جن کا انتظار یہ داعی حضرات کر رہے ہیں کیا اسلامی حکومت کا انتظار کر رہے ہیں! بے شک توحید خالص کو لوگوں پر ظاہر کرنا اور شرک کے اندھیروں سے توحید کی روشنی کی طرف گامزن کرنا ہی اس دعوت کا مقصدِ عظیم ہے' اگرچہ اس کام کے لئے داعی حضرات کو کتنی ہی تکلیفیں اور آزمائشیں برداشت کرنا پڑیں' یاد رہے کہ دینِ اسلام صرف مصائب وآزمائشوں سے ہی ابھرتا ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ سنت ہر داعی کو یاد رکھنی چاہیے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ. (البقرہ: ۲۵۱)

''اگر اس طرح اللہ انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعے سے ہٹا تا نہ رہتا تو زمین کا نظام بگڑ جاتا''

مڈبھڑ سے ہی دین سربلند ہوتا ہے اور مبنی برشرک کاموں سے بچا جا سکتا ہے' توحید ہی وہ منتہائے مقصود ہے جس کے لئے آزمائشوں کو جھیلا جاتا ہے اور جس کی چوکھٹ پر قربانیاں دی جاتی ہیں اسلامی ریاست کا قیام تو صرف اس مقصد کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔اصحابِ اخدود کے قصے میں اہل دانش کے لئے عبرت کا سامان موجود ہے۔قرآن سورہ اخدود میں ایک نوجوان کا قصہ بیان کرتا ہے جو تنِ تنہا اکیلے رب العالمین کی عبادت کی گواہی دیتا ہے۔وہ نہ صاحب اختیار ہے اور نہ کسی اسلامی ریاست کے بل بوتے پر اتنا بڑا قدم اُٹھاتا ہے' دراصل توحید بہ ذاتِ خود قوت کا نام ہے۔اللہ کا کلمہ بلند کر کے وہ شہید ہو جاتا ہے' ہمارے اہل دانش کو اُس کی دعوت ناکام نظر آئے گی مگر اللہ کے نازل کردہ کلام میں وہ ہمیشہ زندہ جاوداں رہے گی' جب تک قرآن پڑھا جاتا رہے گا' اِس نوجوان کی گواہی سے توحید پرست سبق لیتے رہیں گے' تا قیامت!

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اِس نوجوان کو زندگی کی سب سے بڑی متاع مل گئی تھی اس کامیابی کے سامنے زندگی کی کوئی اہمیت ہے اور نہ ہی جلائے جانے کی یا قتل کیے جانے کی کوئی حیثیت' حکومت ملے یا نہ ملے' خواہ مؤمنوں کو گڑھے کھود کھود کر نذرِ آتش کیا جائے' منزل مراد صرف کلمۃ اللہ کی سربلندی' اور اللہ کی نصرت ہے، شہادت ان کی شاہراہ اور جنت ان کی منزل ہے کیا خوب زندگی ہے۔

اب ذرا ان جاہلوں کی باتوں پر غور کیجئے کہ ''اس طریقے پر چل کر تو دعوت کا نقصان اور اس کے ثمرات ضائع ہو جائیں گے بھائیو! یہ دعوت تو اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے ہے۔اِس دین کی مدد اور نصرت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ وہ اس دین کو تمام ادیانِ باطلہ پر غالب کر کے چھوڑے گا' خواہ اہل شرک کو کتنا ناگوار ہو' خدا کا یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔اِس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد اور سربلندی کا مخصوص افراد سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ یہ لوگ ہوں گے تو مدد آئے گی اور اگر یہ لوگ نہ ہوئے تو مدد نہ آئے گی' ایسی کوئی بات نہیں ہے بلکہ فرمان الٰہی تو یہ ہے کہ۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ (محمد: ۳۸)

''اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔''

ایک اور مقام پر فرمایا: وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ (الحدید: ۲۴)

''اب اگر کوئی روگردانی کرتا ہے تو اللہ بے نیاز اور ستودہ صفات ہے''۔

اگر کوئی اِس دعوت کو حقیقی معنی میں اُٹھانے کی ہمت نہیں رکھتا تو اللہ فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (المائدہ: ۵۴)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو' اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے (تو پھر جائے) اللہ اور بہت سے لوگ ایسے پیدا کر دے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ

اُن کومحبوب ہوگا' جومومنوں پرنرم اور کفار پرسخت ہوں گے' جواللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے' جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اللہ وسیع ذرائع کا مالک ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔''

یہ ہے انبیاءکرام علیہم السلام اور ان کے متبعین کی دعوت جو ہر زمانے میں بہترین گواہی دیتی ہے ان لوگوں کو سخت ترین امتحانوں اور آزمائشوں سے گزرنا پڑا مگر ان کی دعوت کا نور ختم نہیں ہوا بلکہ ہر لمحے بڑھتا اور لوگوں کے دلوں کو منور کرتا جارہا ہے آج بھی نور کا متلاشی ہر شخص انہیں روشنیوں سے نور لے سکتا ہے۔

اشکال

اس مقام پر ایک اور اشکال کی وضاحت بھی ضروری ہے وہ یہ کہ کفار سے اظہار عداوت وبغض اور ان کے معبودانِ باطلہ کا انکار کرنا ہی دعوتِ اسلام کی اصل بنیاد ہے۔ انبیاءکرام علیہم السلام کے منہاج کی ایک واضح صفت ہے اس راستے پر چلے بغیر نہ ہی دعوت کی اصلاح ہوسکتی ہے اور نہ ہی اللہ کے دین کا اظہار ہوسکتا ہے۔ معرفتِ حق کا حصول بھی ناممکن ہے بعض لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ اہلِ حق کی ایک جماعت اظہارِ دعوت کردے تو دوسروں کی طرف سے فریضہ ادا ہوجاتا ہے اور کمزور اور عاجز لوگوں کی طرف سے بطریقِ اولی اس فرض کی ادائیگی ہوجاتی ہے۔ یادرکھیں! لا الہ الاّ اللہ کی شہادت کا فرض' فرضِ کفایہ نہیں ہے۔ ہر مسلمان پر' ہر زمانے اور ہر جگہ دعوت دینا فرض عین ہے جیسا کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا زبان سے ادا کرنا ضروری ہے اُسی طرح اِس کی شہادت دینا - جو دوسروں پر واضح کرنا ہوتی ہے- ضروری ہے۔ اِس دعوت کے حق میں سستی کرنا یا مکمل طور پر اس کو ترک کرنا دین میں ایک نئی بات کا اضافہ کرنا ہے' جس کا دینِ اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تعلق تو موجودہ دور کے داعی حضرات کے ساتھ ہے جو لوگوں کو سیرتِ مطہرہ سے ہٹا کر اپنی تقلید اور دنیاوی تنظیموں کے راستے پر چلنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اِن مصلحت پرست داعی حضرات کا دین ہر حال میں فریب خوردہ ہے' انہیں اسلام کا بزدلانہ چہرہ دکھانے کی کوئی پرواہ ہے اور نہ منافقت کا ہی کوئی ڈر ہے۔ ہاں وہ علماء مستثنیٰ ہیں جو ذاتی خواہشات اور عقلی دلیل کو پیش نہیں کرتے بلکہ شرعی دلائل پیش کرتے ہیں ان میں سے جو بھی نبی علیہ السلام کے دور پر غور کرے گا جس دور میں دعوت ابھی کمزور تھی' تو اس شخص پر تمام حالات واضح ہوجائیں گے۔ مثلاً

''صحیح مسلم میں عمرو بن عبسۃ اسلمی کا واقعہ مذکور ہے کہ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرض کیا کہ میں آپ کی اتباع کرنا چاہتا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' تم میرے اور میرے ساتھیوں کی حالت نہیں دیکھ رہے۔ تم ان مصائب کو برداشت نہیں کرسکتے لہٰذا تم اپنے گھر لوٹ جاؤ! جب معلوم پڑے کہ میں غالب آچکا ہوں تو پھر تم میرے پاس چلے آنا''۔

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں'' اتباع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے اسلام کا اظہار کرکے مکہ میں رہنا چاہتا ہوں اس بات سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ تم اس قدر طاقت نہیں رکھتے مجھے تمہارے بارے میں کفارِ قریش کی اذیت کا خطرہ ہے لیکن تم اپنے اسلام پر قائم رہتے ہوئے اپنے وطن واپس لوٹ جاؤ یہ پہلا شخص تھا جس کو آپ ﷺ نے دین مخفی رکھنے کی اجازت دی تھی کیونکہ ان دنوں اللہ کا دین اور دعوتِ اسلام کا چرچا ہر سو ہو چکا تھا' اس کی دلیل اسی حدیث کے یہ الفاظ ہیں کہ'' کیا تم میرا اور میرے صحابہ کا حال نہیں دیکھ رہے؟'' اسی طرح ابوذر غفاریؓ کا واقعہ بھی صحیح بخاری میں موجود ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''اے ابوذر! قبولِ اسلام کو مخفی رکھ کر اپنے شہر لوٹ جاؤ جب ہم غالب آجائیں تو پھر تم لوٹ آنا'' لیکن ابوذر رضی اللہ عنہ نے کفار کے درمیان آکر اظہارِ اسلام کردیا تھا۔ اس فعل کی بنا پر آپ کو کفار نے قتل کے ارادہ سے مارا پیٹا بھی تھا جیسا کہ صحیح بخاری میں مکمل واقعہ موجود ہے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ بار بار اظہارِ حق کرتے رہے مگر اِس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو منع نہیں فرمایا' نہ ہی موجودہ زمانے کے مصلحت پرست داعی حضرات کی طرح کہا کہ تم نے دعوت کو ضائع کردیا اور فتنہ کو بھڑکا دیا ہے۔ یا تمہارے اِس اِقدام سے دعوت کو نقصان پہنچنے کا خدشہ پیدا ہوگیا ہے' یا تم دعوت کو اگلے سو سال تک مؤخر رکھو۔ اِن اقوال سے تو اللہ کی پناہ ہی مانگنی چاہئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام لوگوں کے قائد اور نمونہ ہیں' دعوت کے طریقہ میں رسول اللہ ﷺ سے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے اپنی طرف سے نیا اسلوب نہیں اپنایا جاتا۔ بعض کمزور لوگوں کا اپنے دین کو مخفی رکھنا اور دعوت نہ دینا ایک علیحدہ مسئلہ ہے رسول اللہ کی دعوت تو مشہور ومعروف تھی ہر شخص پر واضح تھا کہ نبی علیہ السلام کی دعوت کا بنیادی اور مرکزی نقطہ' طاغوت کا انکار اور اللہ کی بندگی اور اُس کی توحید کا اقرار ہے۔ مشرکین مکہ اسی وجہ سے تو آپ ﷺ سے دور رہتے تھے۔ اگر اسلام کی دعوت مشہور ومعروف نہ ہوتی تو صحابہ کرام ہجرت کرنے پر مجبور نہ ہوتے۔ اگر موجودہ دور کی طرح وہ بزدلی دکھاتے' تو اسلام کی دعوت اس حد تک نہ پہنچتی۔ اسلام کی دعوت مشہور ہوجانے کے بعد ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو آپ علیہ السلام کا اظہارِ دعوت سے روکنا ایک فقہی مسئلہ کو ثابت کرتا ہے' اور وہ یہ کہ کفار کو دورانِ جنگ دھوکہ دینا اور مسلمانوں کا اپنی افواج میں سے بعض کو چھپانا جائز ہے۔ لیکن یہ اس وقت جائز ہوگا جب دین مکمل طور پر ظاہر ہو چکا ہو اس صورت حال میں مزید دلائل اگر حاصل کرنا ہوں تو کعب بن اشرف یہودی کے قتل کے واقعے سے بھی دلیل لی جاسکتی ہے اس کے برعکس موجودہ داعی حضرات اپنی عمروں کو' طاغوتی افواج کی بزدلانہ حمایت میں گزار کر ضائع کرتے ہیں ان کی موت اور زندگی' طاغوت کی خدمت کرتے گزرتی ہے۔ اور یہ دلیل دیتے ہیں کہ ہم تو دین کی مدد کررہے ہیں یہ لوگ' دین کے

معاملے میں عوام الناس کو دھوکہ دیتے ہوئے توحید کو دفنا چکے ہیں ان کے راستے مغربی دنیا کی طرف ہیں اور دین اور طریقۂ نبوی مشرق سے تعلق رکھتا ہے۔

عزیزانِ گرامی !ملتِ ابراہیمی کی دعوت اس وقت درست ہوگی جب خونی رشتوں میں جدائی پڑ جائے' اِس کے علاوہ جو بھی ٹیڑھے راستے ہیں اور منحرف منہج ہیں' ان کے ذریعے اقامتِ دین کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا یہ لوگ چاہتے ہیں کہ سرکاری عہدوں سے دوری اختیار نہ کریں' حکمرانوں کا غیض وغضب بھی نہ ہو' محلات' بیویاں' اولادیں اور مال واسباب سب کچھ موجود رہے' اور اقامتِ دین کا فریضہ بھی نبھ جائے! یہ کیسے ممکن ہے ان کا ملتِ ابراہیمی سے کوئی تعلق نہیں ہے اگر چہ یہ دعوے کرتے رہیں کہ ہم انبیاء کرام علیہم السلام اور سلف صالحین کے منہج کے پیروکار ہیں ہم نے ان کو بارہا دیکھا ہے کہ یہ منافقین اور ظالمین سے خندہ پیشانی سے پیش آتے ہیں بلکہ کفار اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے آگے بچھ بچھ جاتے ہیں۔ان کا یہ بزدلانہ برتاؤ،دعوت کے لئے نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی کی ہدایت کی امید پر ہوتا ہے بلکہ یہ بزدلی باطل کو مانتے ہوئے ہوتی ہے یہ لوگ اہل کفار کے آگے بطورِ تعظیم کھڑے ہوتے ہیں۔انہیں تعظیمی القابات سے نوازتے رہتے ہیں' برسراقتدار طبقہ اہل توحید کے خلاف مسلسل جنگ کررہا ہوتا ہے۔بخدا' ہم نے اِنہیں دیکھا ہے کہ یہ لوگ صبح وشام اپنے دین کو مچھر سے بھی ارزاں قیمت پر بیچ دیتے ہیں۔اگر یہ شام کے وقت مؤمن بن کر درسِ توحید ارشاد کرتے ہیں تو صبح کے وقت کفریہ قوانین کے احترام کی قسمیں کھاتے نظر آتے ہیں یہ لوگ خود ساختہ قوانین اور ظالموں کے سامنے مسکراتے چہروں اور میٹھی باتوں کے پیکر بن جاتے ہیں باوجود اس بات کے کہ شب وروز قرآن وحدیث کے دلائل انہیں ظالموں کی طرف مائل ہونے' اطاعت کرنے اور ان پر راضی وخوش ہونے سے روکتے ہیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (ھود:۱۱۳)

''ان ظالموں کی طرف ذرا نہ جھکنا ورنہ جہنم کی لپیٹ میں آجاؤ گے۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: **وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِي حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ** (النساء:۱۴۰)

''اللہ اس کتاب میں تم کو پہلے ہی حکم دے چکا ہے کہ جہاں تم سنو کہ اللہ کی آیات کے خلاف کفر بکا جارہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جارہا ہے وہاں نہ بیٹھو جب تک کہ لوگ کسی دوسری بات میں نہ لگ جائیں۔اب اگر تم ایسا کرتے ہو تو تم بھی ان ہی کی طرح ہو۔''

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے شیخ سلیمان بن عبداللہ آلِ شیخ رحمہما اللہ فرماتے ہیں''اس آیت کا واضح مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی شخص یہ سنے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار اور مذاق اڑایا جارہا ہے۔اور وہ شخص بغیر کسی مجبوری کے اسی مجلس میں بیٹھا رہتا ہے تو وہ بھی انہی کی طرح کافر ہے۔اگر چہ وہ زبان سے اِستہزاء خود نہیں کرتا۔(الدررالسنیۃ: جزء الجہاد ص۷۹)

ایک مومن سے جس رویے کا اظہر ہوگا قرآن نے اُسے اِن الفاظ میں بیان کیا ہے:

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ (الانعام:۶۸)

''اور اے محمد جب تم دیکھو کے لوگ ہماری آیات پر نکتہ چینیاں کررہے ہیں تو ان کے پاس سے ہٹ جاؤ یہاں تک کہ وہ اس گفتگو کو چھوڑ کر دوسری باتوں میں لگ جائیں۔''

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں''اللہ تعالیٰ کی آیات کی عیب جوئی کی جارہی ہو یا نہ کی جارہی ہو کسی حالت میں بھی مشرکوں کے ساتھ بیٹھنا نہیں چاہئے۔مشرکوں کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے میں اِس بات کا امکان ہے کہ شیطان بہکا کر اس گناہِ عظیم میں کسی طرح شریک نہ کردے۔اسی خطرے کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (الانعام:۶۸)

''اور اگر کبھی تمہیں شیطان بھلاوے میں ڈال دے تو جس وقت تمہیں اس غلطی کا احساس ہوجائے تو اس کے بعد ایسے ظالم لوگوں کے پاس مت بیٹھو۔''

اسی بارے میں ایک اور مقام پر فرمایا۔

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا ○ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا .

''اور بعید نہ تھا کہ اگر ہم تمہیں مضبوط نہ رکھتے تو تم ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک جاتے لیکن اگر تم ایسا کرتے تو ہم تمہیں دنیا میں بھی دُہرے عذاب کا مزا چکھاتے اور آخرت میں بھی دُہرے عذاب کا' پھر ہمارے مقابلے میں تم کوئی مددگار نہ پاتے۔'' (اسراء:۷۴-۷۵)

اس آیت کے بارے میں شیخ سلیمان ؒ فرماتے ہیں''کہ جب ایسا مخاطب رسول اللہ ﷺ ہیں جو اشرف المخلوقات ہیں' تو ہم اور آپ کیا چیز ہیں کیا ہمارے لئے یہ حکم نہیں ہوگا!؟(جزء الجہاد:۴۷)

مومنوں کی صفات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (المومنون:۳)

''وہ جولغویات سے دور رہتے ہیں۔''

اِسی طرح ارشادفرمایا:۔ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوْ كِرَامًا (الفرقان:۷۲)

''جوجھوٹ کے گواہ نہیں بنتے اورکسی لغو چیز پران کا گزر ہوجائے تو شریف آدمیوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔''

موجودہ دور کے علماء کوخوش فہمی ہے کہ وہ سلف صالحین کے منہج پر ہیں حالانکہ سلف صالحین تو حکمرانوں سے دور رہتے تھے حالانکہ اس وقت کے حکمران آج کے حکمرانوں سے بہتر تھے اس لئے کہ وہ دور صاحبانِ شریعت وہدایت کا تھا کفراورظلم وجبر کا دور دورہ نہ تھاان سلف صالحین کی گردنوں پرتلوارتھی اور نہ ہی ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالی گئی تھیں ۔وہ مجبور نہ تھے خودمختار تھے موجودہ دور کے داعی حضرات کوحکمرانوں کی حمایت کرنے کی وجہ سے مال ودلت اور سیاسی تحفظ عطا کیا جاتا ہے۔اگر یہ لوگ کہتے کہ ہم دنیاوی لالچ کی بنا پر اظہارِحق نہیں کرتے تو ٹھیک تھالیکن یہ لوگ تو کہتے ہیں کہ ہم دعوت کی مصلحت اور دین کی نصرت کی خاطر یہ سب کچھ کرر ہے ہیں۔؟؟افسوس صد افسوس! کیا یہ لوگ اللہ علیم وخبیر کودھوکہ دے رہے ہیں جو کہ ان کی سرگوشیوں اوردل کے بھیدوں کو بھی جانتا ہے۔

ہمارے مصلحت پرست معترضین کہتے ہیں:۔انہیں حکمتِ دعوت کا کوئی علم نہیں ہے یہ لوگ ثمرات کے حصول کے لئے بے صبری کا مظاہرہ کرر ہے ہیں' دعوت کی ایک فطری رفتار ہوتی ہے' یہ لوگ اُس سے تیز چلنا چاہتے ہیں۔اِن کی سیاسی بصیرت ناقص ہےاور یہ تصورات کی دنیا میں رہتے ہیں۔

اِس الزام کی زدکچھ ہم پر ہی نہیں پڑتی بلکہ تمام رسولوں اورابراہیم علیہ السلام کی ساری دعوت پر اِس کی چوٹ پڑتی ہے' کیونکہ ملتِ ابراہیم کا اہم ترین مقصد ہی اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے برأت اورمشرکوں کے گمراہ کن تصورات سے عداوت کرنا ہے۔انہیں خبر ہی نہیں کہ ان کے اعتراضات ابراہیم علیہ السلام تک پہنچتے ہیں۔کیا اُنہیں بھی دعوت دینے کا سلیقہ نہ آتا تھا! معاذ اللہ

اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے ابراہیم علیہ السلام کا طریقہِ دعوت پسند فرمایا ہے:۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ (الممتحنة:۴)

''تم لوگوں کے لئے ابراہیم اوراس کے ساتھیوں میں ایک اچھانمونہ ہے''۔

اسی طرح ارشادِباری تعالیٰ ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا (النساء:۱۲۵)

''اس شخص سے بہتر اورکس کا طریقِ زندگی ہوسکتا ہے جس نے اللہ کے آگے سرِتسلیم خم کرلیا اوراپنا رویہ نیک رکھا اور یک سو ہوکر ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کی پیروی کی' اس ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کی جسے اللہ نے اپنا دوست بنالیا تھا''

ایک اورمقام پر اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ (الانبیاء:۵۱)

''اُس سے بھی پہلے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کواس کی ہوشمندی بخشی تھی اور ہم اُس کو خوب جانتے تھے۔''

اِس تعریف وتوصیف کے بعد اللہ تعالیٰ نے ملتِ ابراہیم سے بے رغبتی کرنے والے کو بے وقوف کہا ہے۔ذرا بتائیے کسی ناسمجھ سے حکمت اوردانائی سیکھی جاتی ہے؟ کیا جاہلوں کے اختیار کردہ راستے پر چل کر منزل تک پہنچا جاسکتا ہے! برأت کا اظہار کرنا ملتِ ابراہیمی کا تقاضا ہے

یادرکھئے کہ مشرکوں سے اعلان دشمنی وبرأت اوران کے معبودوں کا انکار کرنا ملتِ ابراہیمی کا تقاضا ہے اس تقاضے پر عمل پیرا ہوکر بہت سی تکالیف برداشت کرنا پڑتی ہیں۔کوئی یہ گمان نہ کرے کہ اس کٹھن راہ پر چلنے والوں کو پھولوں کی سیج ملتی ہے یا عیش وآرام ملتا رہے گا بلکہ یہ تو مصائب اور خطرات سے اَٹی راہ ہے لیکن انجام کار جنت میں پھولوں اورمشک وعنبر سے استقبال ہوگا۔مومنوں سے رحمٰن راضی ہوگا۔ہم جان بوجھ کر اپنے آپ کو اور دیگر مسلمانوں کو مصیبتوں میں ڈالنا نہیں چاہتے لیکن اس راستے میں تکالیف جھیلنا اوران پر صبر کرنا ہی ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کا دستور ہے تاکہ ان آزمائشوں سے گزر کر کھرے کھوٹے کی پہچان ہوجائے' اِس راستے پر ثابت رہنا،خواہشاتِ نفس اورحکومت کے پجاریوں کا کام نہیں ہے اوروہ اس پر کبھی راضی بھی نہ ہوں گے کیونکہ یہ منہج ان کے نظریات سے متصادم ہے ان لوگوں کو اپنے معبودوں اورشریکوں کا انکار کرنا پڑے گا تم دیکھو گے کہ اس کٹھن راہ کو چھوڑ کر سرکاری دین کو تحفظ فراہم کرنے والے دنیا کی زندگی میں عیش وعشرت میں مگن نظر آئیں گے۔ان کے چہروں پر کسی قسم کی تکلیف کے اثرات نظر نہیں آئیں گے۔یہ اللہ کی سنت ہے کہ لوگوں کوان کی دینی قدرومنزلت کے مطابق آزمایا جاتا ہے۔انبیاء کرام علیہم السلام کو دنیا میں سب سے بڑھ کر آزمایا جاتا ہے پھران کے بعد صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر لوگوں کو اُن کے ایمان کے لحاظ سے آزمایا جاتا ہے۔ ملتِ ابراہیم کی اتباع میں مصائب سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت میں یہ مرحلہ ضرور آتا ہے۔ جیسا کہ ورقہ بن نوفل نے نبی علیہ السلام سے فرمایا:۔ ''تمہاری جیسی دعوت جو شخص بھی لے کر اٹھا' اُس کی ہمیشہ مخالفت کی گئی۔'' (صحیح بخاری)

اگر ہم ایسے لوگوں کو دیکھیں جو رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے پیروکار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اہلِ باطل سے دشمنی نہیں کرتے اور ان کے درمیان مطمئن ہو کر مزے سے رہتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اِن میں کچھ سرے سے گم راہ ہوں گے' کچھ ٹیڑھی راہ پر چلنے والے ہوں گے' یا پھر اپنی دعوت میں جھوٹے ہوں گے' سلف وصالحین کا بھیس بدل کر سامنے آئیں گے حالانکہ اُن جیسے نہ ہوں گے' یہ لوگ اپنی خواہشات کے پیچھے چلنے والے ہوں گے' یا ان میں کوئی عقل نہ ہوگی بلکہ ہر کسی کے ساتھ چلنے کے لئے تیار رہیں گے' بعض مبلغین کے روپ میں اہلِ توحید میں گھس کر سرکاری خفیہ ایجنسیوں کے لیے کام کرتے ہوں گے' اور جو بات ورقہ بن نوفل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہی تھی کہ تم سے لوگ دشمنی کریں گے تو یہ بات صحابہ کرامؓ کے دلوں میں بیعت کرتے وقت موجود تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بیعت کرتے وقت اسد بن زرارۃ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا:۔

''اے یثرب والو! سوچ سمجھ کر بیعت کرو آج جب تم اس راہ پر نکلے ہو تو جان لو کہ کل عرب کو چھوڑنا پڑے گا۔ سارے لوگ تمہارے دشمن بن جائیں گے تمہارے بیٹے اِس راہ میں قتل کیے جائیں گے' اگر تم اس کٹھن راہ پر صبر کر سکو تو پھر اِس نبی کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لو! تمہارا اجر اللہ کے ذمے ہے اور اگر تمہیں اپنی جان پیاری ہے تو آج ہی اس راستے کو چھوڑ دو تا کہ اللہ کے سامنے اپنی بے چارگی کا عذر پیش کر سکو۔ (رواہ احمد والبیہقی)

موجودہ دور میں مبلغین کے روپ میں بہت سے مصلحت پسند داعیوں سے واسطہ پڑتا ہے' اگر آپ اِن میں سے نہیں کہلانا چاہتے تو پھر اپنا موازنہ ملتِ ابراہیم سے کریں' اپنے آپ کو اس منہج ابراہیمی پر چلنے کے لئے پیش کریں' کوئی کمی کوتاہی ہو تو اپنا محاسبہ کریں۔ اگر آپ ایسے لوگوں میں سے ہیں جو مصیبتوں پر صابر و شاکر رہ جاتے ہیں تو پھر اِس دعوت کا حق ادا کریں اور ثابت قدمی کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں۔ اور اگر آپ قیامِ دین اور اظہارِ حق کی استطاعت نہ رکھ سکتے ہوں اور اپنے آپ کو ثابت قدم نہ رکھ سکتے ہوں تو داعیانِ اسلام کے بہروپ کو چھوڑ چھاڑ کر اپنے آپ کو گھروں میں بند کر لیں' اپنی اصلاح پہلے کرلو اور عوام الناس کے معاملے کو خدا پر چھوڑ دو۔ یا چند بکریوں کو لے کر وادیوں میں چلے جاؤ۔ اور جس طرح صحابی رسول' اسعد بن زرارۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے' کل قیامت کو اپنی بیچارگی کا عذر تو پیش کر سکو کہ تم نے دین کی نصرت نہیں کی تو کم از کم اُس کی غلط تصویر بھی پیش نہیں کی۔ جب آپ ملتِ ابراہیمی کے قیام کی طاقت نہیں رکھتے اور طاغوت کا سامنا اہلِ توحید کی طرح نہیں کر سکتے تو ابراہیم کی دعوت کو بگاڑ کر پیش کرنے کے سنگین گناہ سے بچنے کی کوشش تو کرو۔

قارئین کرام! ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ لوگ ایسے اشخاص کا مذاق اڑاتے ہیں جو ان کے انحراف اور گمراہی کی نشان دہی کرتے ہیں مصلحین پر دنیا سے چمٹے رہنے اور دعوت الی اللہ میں کوتاہی کرنے کا الزام عائد کرتے ہیں حالانکہ ان کی اپنی دعوت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم منہج سے ہٹ کر ہے وہ دعوت جس کے ذریعہ لوگ فوج' پولیس میں عہدے اور قومی اسمبلی اور شرکیہ پارلیمنٹ میں ملازمتیں چاہتے ہیں ان اداروں میں اکثریت ظالموں کی ہے یا اس دعوت کے ذریعے مخلوط تعلیم والی یونیورسٹیوں اور اسکولوں کالجوں کی فحش پارٹیوں میں داخلہ چاہتے ہیں اور دلیل پیش کرتے ہیں کہ اس کام سے دعوت کا فائدہ اور دینِ حقہ کا اظہار ہوگا؟۔ ہاں اگر ملتِ ابراہیمی کی دعوت میں کوتاہی کی بات کرتے ہو تو واقعی یہ حقیقت ہے کہ دونوں گروہوں نے اس دعوت میں کوتاہی برتی ہے۔

بعض لوگ مسندِ احمد میں منقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے حجت پکڑتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''وہ مؤمن جو لوگوں سے میل جول رکھتا ہے اور ان کی تکلیف دہ باتوں پر صبر کرتا ہے۔ وہ اس مومن سے افضل ہے جو لوگوں سے ملتا جلتا نہیں ہے اور لوگوں کی ایذا رسانیوں پر صبر نہیں کر سکتا'' اس حدیث کو پیش کرنے والوں سے ہم عرض کرنا چاہیں گے کہ حدیث مشرق کی بات کرتی ہے تو تم مغرب کی بات کرتے ہو' لوگوں سے میل جول رکھنا درست ہے مگر جب میل جول شریعت کے طریقے پر ہو' تمہاری خواہشات' آراء اور دعوت کے جدید اسلوب پر مبنی نہ ہو' اگر یہ ملنا جلنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ہوگا تو پھر اس راہ میں اجر بھی ملے گا اور تکلیفیں بھی آئیں گی۔ وگرنہ جو طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ ہوگا اُس پر اجر کیوں کر ملے گا۔ اعمال کے قبول ہونے کا انحصار اتباعِ رسول سے مشروط ہے' جس میل جول میں یہ شرط پوری نہ ہوتی ہو اُسے دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا۔ ذرا سوچیے جو شخص مشرکین اور اہلِ فسق و فجور سے عداوت کا اظہار نہ کرے گا اور ان کی گمراہی اور شرک سے اعلانِ برأت نہ کرے گا تو اُسے کون سی مصیبت آئے گی! کون سی آزمائش آئے گی! جب یہ لوگ باطل پرستوں کے ہم نشین ہوتے ہیں تو اِن کے چہروں سے خوشی ٹپک رہی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حرمت کو پامال ہوتا دیکھ کر ان کو ایک لمحہ کے لئے بھی غصہ نہیں آتا حتیٰ کہ چہرے کا رنگ بھی نہیں بدلتا۔ اپنے ان کرتوتوں کی دلیل دیتے ہوئے اس کو نرمی، حکمت اور موعظہ حسنہ کی مثال قرار دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں ہمارے عمل سے لوگ دین سے متنفر نہ ہوں گے' بھلے اِس نرمی اور حکمت کی کدال سے دین کی کڑیاں ایک ایک کر کے ٹوٹتی رہیں۔

شیخ عبداللطیف بن عبدالرحمٰن اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''اظہارِ حق کو بزدلی یا معاشرے کے ڈر کی بنا پر ترک کرنا ہلاکت، گناہ کبیرہ اور نقصانِ عظیم ہے۔ بزدلی اور مصلحت کے شکار لوگوں کا خیال ہے کہ اظہارِ دعوت سے معیشت کے تباہ ہو جانے کا خدشہ ہے۔ ایسے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے والے

اور آپ ﷺ کے منہج اور طریقہِ دعوت کو ترک کرنے والے ہوتے ہیں۔لوگوں کی رضا و خوشنودی ان کے نزدیک عقلمندی کا ثبوت ہوتی ہے عوام کی محبت کے حصول کے لئے ہر کام کر گزرتے ہیں۔اہل شرک سے اظہارِ دشمنی نہ کر کے اُنہیں نفسانی خوشی ملتی ہے۔مگر انجام کار بہت ہلاکت خیز ہوتا ہے جو شخص اللہ کے لئے دوستی اور دشمنی اختیار نہیں کرتا دراصل اس کو ایمان کا ذائقہ اور مٹھاس نصیب نہیں ہوتا۔عقلمندی کا تقاضا اسی چیز میں ہوتا ہے جس سے اللہ اور اس کا رسول راضی ہو۔اللہ تعالیٰ کی رضا اُس کے دشمنوں کو ذلیل وخوار کرنے اور اُس کی حرمت کو پامال ہوتا دیکھ کر غضبناک ہونے سے ملتی ہے۔غصہ اگر کسی دل میں ہوگا تو اس کے دل میں غیرت اور زندگی بھی ہوگی جس کا دل مردہ اور غیرتِ دین کے جذبات سے خالی ہوگا اسے خدا کی ذات کے لیے غصہ آتا ہی نہیں ہوگا۔اس کو دوستی دشمنی' پاک اور ناپاک' اچھائی اور برائی کا کچھ پاس لحاظ نہیں ہوتا۔ایسے دل میں بھلائی اور خیر کی کوئی رمق باقی نہیں رہتی''۔(الدررالسنیۃ: جزء الجہاد' ص ۳۵)

تم دیکھو گے کہ بعض لوگ مخلص نوجوانوں پر ہنستے ہیں گوشہ نشینی جو فتنوں کے دور میں کی جانی چاہئے اس گوشہ نشینی اور تنہائی کے متعلق ثابت شدہ نصوص کی غلط توجیہ کریں گے۔

کیا ملتِ ابراہیم پر عمل کرنا فی الواقع مشکل ہے

یہ بات درست ہے کہ ملتِ ابراہیمی پر عمل پیرا ہو کر بہت سی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن ان مصائب وآزمائشوں کا آخری تعلق عظیم کامیابی اور مددِ الٰہی سے ہے اس راہ پر لوگ دو واضح گروہوں میں بٹ جاتے ہیں ایمان والوں کا گروہ اور کافروں فاسقوں اور نافرمانوں کا گروہ جدا جدا ہو جاتا ہے آزمائشوں سے اولیاء الرحمٰن اور اولیاء الشیطان واضح طور پر علیحدہ نظر آتے ہیں انبیاء ورسولوں کی دعوت اسی طرح پوری ہوا کرتی ہے موجودہ دور کی طرح نہیں کہ شریف وغیر شریف' نیک و بد حق وباطل باہم خلط ملط ہیں۔ صاحبِ علم لوگ فاسقوں فاجروں میں اٹھتے بیٹھتے ہیں متقی اور صالح لوگوں کے مقابلے میں فاسقوں اور فاجروں کو زیادہ عزت دی جاتی ہے حالانکہ ایسے لوگ دینِ اسلام سے بغض ونفرت کرتے اور اس کے مغلوب ہونے کا انتظار کرتے رہتے ہیں اس کے برعکس انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت بالکل واضح طور پر شریعت الٰہی کے مخالفین سے برأت وخلاصی پر مبنی ہوتی تھی ان کے معبودانِ باطلہ سے کھلم کھلا دشمنی کی جاتی تھی اللہ کی شریعت کی تعلیم وتبلیغ کے سلسلے میں کسی قسم کی بزدلی اختیار نہیں کی جاتی تھی صدیوں پہلے سیدنا نوح علیہ السلام نے تنِ تنہا اپنی قوم کو دعوتِ اسلام دی تھی آپ علیہ السلام نہ حکمرانوں سے ڈرتے اور نہ ہی ان کی سرکشی سے خوف کھاتے تھے سنو کہ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں۔

اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ (یونس: ۷۱)

''اس وقت کا قصہ جب اُس (نوحؑ) نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ ''اے برادرانِ قوم' اگر میرا تمہارے درمیان رہنا اور اللہ کی آیات سنا سنا کر تمہیں غفلت سے بیدار کرنا تمہارے لئے ناقابل برداشت ہو گیا ہے تو میرا بھروسا اللہ پر ہے' تم اپنے ٹھیرائے ہوئے شریکوں کو ساتھ لے کر ایک متفقہ فیصلہ کر لو اور جو منصوبہ تمہارے پیش نظر ہو اُس کو خوب سوچ سمجھ لو تا کہ اس کا کوئی پہلو تمہاری نگاہ سے پوشیدہ نہ رہے' پھر میرے خلاف اُس (منصوبے) کو عمل میں لے آؤ اور مجھے ہرگز مہلت نہ دو''۔

کوئی اپنی قوم سے ڈرنے والا شخص ایسی بات کہہ سکتا ہے؟ سید قطب رحمہ اللہ لکھتے ہیں ''مشرکوں کے لئے یہ واضح چیلنج تھا ایسا چیلنج صرف وہی شخص دے سکتا ہے جس کے دونوں بازوؤں میں قوت وطاقت ہو اور وہ کسی مضبوط سہارے پر کھڑا ہو۔نوح علیہ السلام نے تو اپنے نفس کو اس خطرے میں ڈال دیا تھا غضبناک الفاظ کے ساتھ مشرکوں کو اپنے اوپر حملہ کے لئے ابھارا تھا۔کیا نوح علیہ السلام کے پیچھے کسی بڑی قوم کا ہاتھ تھا۔اُنہیں صرف اللہ کی مدد اور اُس کی نصرت پر بھروسا تھا۔ان آیات کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت پر ان آیات کی تلاوت کا حکم دیا تھا کہ:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ (یونس: ۷۱)

''اِن کو نوح کا قصہ سناؤ' اُس وقت کا قصہ جب اُس نے اپنی قوم سے کہا تھا''۔

اسی طرح ہود علیہ السلام نے اپنی طاقتور قوم کا سامنا کیا۔آپ ان کی سرکشی کے سامنے تنِ تنہا کھڑے تھے۔ایک پہاڑ کی طرح ثابت قدم ہو کر جمے رہے۔آپ دیکھئے کہ کس طرح ہود علیہ السلام اپنی مشرک قوم سے اعلانِ برأت کرتے ہیں۔

قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ (ہود: ۵۵،۵۴)

''ہود نے کہا'' میں اللہ کی شہادت پیش کرتا ہوں۔اور تم گواہ رہو کہ یہ جو اللہ کے سوا دوسروں کو تم نے خدائی میں ٹھیرا رکھا ہے اُس سے میں بیزار ہوں۔تم سب کے سب مل کر میرے خلاف اپنی کرنی میں کسر نہ اٹھا رکھو اور مجھے ذرا مہلت نہ دو''

دیکھئے یہ بات وہ شخص کر رہا ہے جو بالکل تنہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اپنے لشکر اور اپنے معبودوں کو اکٹھا کر لو۔ ہود علیہ السلام مزید فرماتے ہیں۔

اِنِّیۡ تَوَكَّلۡتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیۡ وَرَبِّكُمۡ مَا مِنۡ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّیۡ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ (ھود: ۵۶)

''میرا بھروسا اللہ ہے جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ کوئی جان دار ایسا نہیں جس کی چوٹی اس کے ہاتھ میں نہ ہو۔ بے شک میرا رب سیدھی راہ پر ہے''۔

ایک طرف انبیاء کا یہ طرزِ عمل ہے جبکہ دوسری طرف مصلحت پرست داعی حضرات! اللہ کی شریعت کا انکار کرنے والے طاغوتوں سے بعض مسائل میں شرعی فیصلوں کی بھیک مانگتے ہیں یا اپنی کوششیں فسق و فجور اور شرک پر مبنی اسمبلیوں میں نشستوں کے حصول پر صرف کرتے ہیں ہم ایسے ہی لوگوں کے لئے سید قطب رحمہ اللہ کی وہ تفسیر پیش کرتے ہیں جو آپ نے اس سورہ ہود کی تشریح میں لکھی ہے۔'' کہتے ہیں ان آیات میں ہود علیہ السلام اپنی قوم سے برأت اور علیحدگی کا اظہار کرتے ہیں حالانکہ آپ اس قوم کے سرکردہ آدمی تھے۔ آپ اپنی قوم میں۔ جو اللہ کے راستے کو چھوڑ چکی تھی۔ اپنی بقا کے امکانات معدوم کر رہے تھے۔ اپنی گمراہ قوم سے برأت پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتے ہیں اور ساتھ اپنی قوم کو بھی کہتے ہیں کہ گواہ رہنا! تاکہ قوم کو ہود علیہ السلام کی نفرت کے متعلق کوئی شبہ نہ رہے بعض اوقات انسان اپنی قوم کا سامنا کرتے وقت خوف زدہ ہو جاتا ہے۔ اور قوم بھی ایسی جو اپنے معبودوں پر یقینِ کامل رکھتی ہو۔ اور وہ شخص ان کے روبرو ان کے عقیدے کو برا کہے اور ان کی سخت مذمت کرے اور اُنہیں مقابلے پر اُکسائے۔ ہود علیہ السلام اپنی تیاری اور استعداد کے لئے کوئی مہلت بھی طلب نہیں کرتے۔ وہ اپنی قوم کے مشرکین کے غیض و غضب کے دھچکے پڑنے کا بھی انتظار نہیں کرتے۔ دعوت الی اللہ کا دعویٰ کرنے والوں کو چاہیئے کہ وہ ہمیشہ اِسی طرح واضح اور دوٹوک موقف پر ڈٹے رہیں۔ دیکھئے! ایک شخص تنہا ہے اس کے ساتھ ایمان والے بہت کم ہیں اپنے دور کے مادی طور پر متمدن یافتہ مالدار وسرکش لوگوں کے روبرو کھڑا ہے ان کی قوم والے ایسے جابر و ظالم تھے کہ رحم ان کو چھو کر بھی نہیں گزرتا تھا۔ عیش و عشرت نے ان کو متکبر بنا ڈالا تھا ایک فریق مال وزر اور عالی شان محلات کا رسیا ہے، وہ دنیا میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کی امید رکھتا ہے اور دوسرا فریق ایمان کا دعوے دار اور اللہ پر بھروسا رکھنے والا ہے، اُس کی مدد پر کامل یقین رکھنے والا ہے۔

ہود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''میرا بھروسا اللہ ہے جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ کوئی جان دار ایسا نہیں جس کی چوٹی اس کے ہاتھ میں نہ ہو۔ بے شک میرا رب سیدھی راہ پر ہے''۔ (ہود:۵۶)

ہود علیہ السلام کی قوم کے سرکش متکبر مشرک اللہ کے سامنے رینگنے والے کیڑے مکوڑوں جیسے ہیں جن کی پیشانی کو اللہ تعالیٰ اپنے قہر کے ساتھ پکڑے گا۔ ذرا سوچئے! ان کیڑوں کے اکھٹے ہونے کا کیا خوف؟؟ اگر یہ کسی پر مسلط ہوں بھی تو اللہ کی اجازت کے ساتھ ہی ہوں گے لیکن یہ گمراہ ہمیشہ مسلط رہنے والے نہیں ہیں۔ (ماخوذ تفسیر فی ظلال القرآن)

مذکورہ بالا تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح انبیاء کرام علیہم السلام اپنی مخالف قوم کے ساتھ رویہ اختیار کرتے تھے یہ ان کی دعوت تھی جو حق و باطل میں ہمیشہ کے لئے ٹکراؤ پر مبنی تھی انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت میں مشرکوں سے دشمنی و برأت واضح نظر آتی تھی۔ آپ ان کی دعوت میں بزدلانہ رجحان یا مشرکوں سے میل ملاپ پر مبنی افکار نہ پائیں گے اہلِ حق کی اہلِ باطل سے دشمنی پر مبنی رویہ ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے۔ آدم علیہ السلام کے زمین پر نزول سے لے کر آج تک یہ فریضہ قائم و دائم رہا ہے۔ یہ فریضہ اس لیے ہے کہ اللہ کے دوستوں اور دشمنوں میں امتیاز ہو جائے اللہ کی جماعت اور اُس کے مخالف گروہ میں فرق نمایاں ہو جائے۔ صحیح اور غلط میں امتیاز ہو جائے۔ اور اس برأت پر اہلِ ایمان کو گواہ بھی بنا لیا جائے۔ اِس اَبدی دشمنی کو اللہ تعالیٰ اِس طرح بیان کرتا ہے:۔ قَالَ اهۡبِطُوۡا بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ (الاعراف:۲۴) فرمایا ''اُتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو''۔

کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جسے قسم قسم کے دشمنوں سے پالا نہ پڑا ہو۔ جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنَا لِكُلِّ نَبِىٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيۡنَ الۡاِنۡسِ وَالۡجِنِّ (الانعام: ۱۱۲)

''اور ہم نے تو اسی طرح ہمیشہ شیطان انسانوں اور شیطان جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا ہے''

اسی معنی پر مبنی سورۂ فرقان کی آیت نمبر ۳۱ بھی ہے جس کے مطابق ہر نبی و رسول کی مخالفت کی گئی جن میں بعض کے واقعات بیان کئے گئے اور بعض کے بیان نہیں کئے گئے۔ اس مفہوم کی تائید بخاری شریف کی درجِ ذیل حدیث بھی کرتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (تمام انبیاء بھائی ہیں) اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے دین کی اصل بنیاد ایک ہی تھی لیکن ان کے فروعی مسائل مختلف تھے۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح آپ ﷺ کی سیرت بھی اسی فریضے پر دلالت کرتی ہے۔ صحیح بخاری میں آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت حق و باطل میں امتیاز پیدا کرنے والا بتائی گئی ہے۔ ''انہ فرق بین الناس'' آپ ﷺ لوگوں کو چھانٹ کر الگ الگ کر دیا کرتے تھے۔ یہ تفریق آپ ﷺ نے ملت ابراہیم کی اتباع میں کی تھی۔ آپ ﷺ شرک اور مشرکوں کے بارے میں کبھی خاموش نہ رہتے تھے۔ بلکہ آپ ﷺ مکہ میں قلیل پیروکاروں اور کمزور صحابہ کے ساتھ علانیہ برأت اور دشمنی کیا کرتے تھے۔ سورہ کافرون مکی سورت ہے، اِس سورت میں اظہارِ برأت کے عربی زبان میں جتنے بیان کے اسلوب

ہو سکتے ہیں وہ سب مذکور ہیں:۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَO لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ O وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ O وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْO وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ O لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ (الکافرون: ۱–۶)

''کہہ دو کہ اے کافرو! میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی عبادت تم کرتے ہو اور نہ تم اُس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں۔ اور نہ میں اُن کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی عبادت تم نے کی ہے اور نہ تم اُس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں۔ تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری صراحت کردی کہ آپ ﷺ اپنے مخالفین سے دشمنی پر مبنی عقیدے پر ثابت قدم ہیں۔ آپ ﷺ کو حکم دیا گیا تھا:۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (یونس: ۱۰۴)

''اے نبی! کہہ دو کہ لوگو! اگر تم ابھی تک میرے دین کے متعلق کسی شک میں ہو تو سن لو کہ تم اللہ کے سوا جن کی بندگی کرتے ہو میں ان کی بندگی نہیں کرتا بلکہ صرف اُسی خدا کی بندگی کرتا ہوں جس کے قبضے میں تمہاری موت ہے۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں سے ہوں''۔

ابھی برأت کے اسلوب ختم نہیں ہوئے اللہ تعالیٰ سورہ یونس میں پھر تاکید کرتے ہیں:۔

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ (یونس: ۴۱)

اگر یہ تجھے جھٹلاتے ہیں تو کہہ دے کہ ''میرا عمل میرے لئے ہے اور تمہارے عمل تمہارے لئے جو کچھ میں کرتا ہوں اُس کی ذمہ داری سے تم بَری ہو اور جو کچھ تم کر رہے ہو اُس کی ذمہ داری سے میں بَری ہوں''۔

اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھی تعلیم فرمائی ہے کہ:

اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَآ أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ (الشوریٰ: ۱۵)

''اللہ ہی ہمارا رب ہے اور تمہارا رب بھی۔ ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے''۔

ابوداؤد کی ایک صحیح روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ میں سے ایک کو فرمایا کہ سوتے وقت سورۃ الکافرون کی تلاوت کیا کرو۔ کیونکہ یہ شرک کی برأت ہے''۔

رسالہ ''اسباب نجاة السؤول من السيف المسلول '' کے مصنف لکھتے ہیں ''کلمہ اخلاص لا الہ الا اللہ کی چند مضبوط شرائط و قیود ہیں امام الحنفاء ابراہیم علیہ السلام نے صرف اس کو پڑھنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ عمل بھی کیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و موالات اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکروں سے دشمنی نہ کی جائے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ O اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ O فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ (شعراء: ۷۵، ۷۶، ۷۷)

(ابراہیمؑ نے کہا) ''کبھی تم نے (آنکھیں کھول کر) اُن چیزوں کو دیکھا بھی جن کی بندگی تم اور تمہارے پچھلے باپ دادا بجالاتے رہے؟ میرے تو یہ سب دشمن ہیں بجز ایک رب العالمین کے''۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنِ O اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ (الزخرف: ۲۷، ۲۶)

یاد کرو وہ وقت جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ ''تم جن کی بندگی کرتے ہو میرا اُن سے کوئی تعلق نہیں۔ میرا تعلق صرف اُس سے ہے جس نے مجھے پیدا کیا وہی میری رہنمائی کرے گا''۔

وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (الزخرف: ۲۸)

''اور ابراہیم یہی کلمہ اپنے پیچھے اپنی اولاد میں چھوڑ گیا تا کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں''۔

ابراہیم علیہ السلام نے یہی کلمہ اپنی میراث میں چھوڑا تھا۔ پھر تمام انبیاء علیہم السلام ایک دوسرے کو یہی کلمہ وراثت میں دیتے رہے۔ جب ہمارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ

وسلم کو نبوت ملی تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ کافرون کے ذریعے وہی بات کہلوائی جو اِس سے پہلے ابراہیم علیہ السلام سے کہلوائی تھی ۔(مجموعۃ التوحید)

نبی علیہ السلام نے اظہارِ حق علی الاعلان کیا۔ اِس دعوت کو چھپایا نہیں، راہِ توحید میں آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت سی تکالیف وصعوبتیں برداشت کرنا پڑیں لیکن انہوں نے ایک لمحہ کے لئے بھی بزدلی اختیار نہیں کی بلکہ آپ ﷺ اپنے صحابہ کو جنت کے وعدے یاد دِلا کر ثابت قدم رہنے کی تلقین کرتے تھے ۔جیسا کہ آپ ﷺ نے آلِ یاسر سے کہا تھا ''اے آلِ یاسر! صبر کرو فإنّ موعدکم الجنة تمہیں جنت کی بشارت ہے''۔(رواہ الحاکم)

اسی طرح خباب رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''تم سے پہلی امتوں کے مومنوں کو زمین میں گاڑ کر ان پر آرا چلایا جاتا تھا جس کی وجہ سے ان کے دو ٹکڑے ہو جاتے تھے۔ان کی ہڈیوں میں اور گوشت میں لوہے کی کنگھیاں آر پار کی جاتی تھیں ۔ یہ تمام سزائیں بھی ان کو دین سے منحرف نہیں کر پائیں تھیں ۔ بخدا یہ دین ضرور غالب آئے گا۔ پھر حقیقی معنی میں امن قائم ہو گا حتی کہ ایک مسافر صنعاء(یمن) سے حضر موت تک اِس حال میں سفر کرے گا کہ ریوڑ پر بھیڑیے کے جھپٹنے کا ڈر نہ ہو گا سوائے اللہ کے ڈر کے لیکن تم جلد نتائج کی فکر کرتے ہو''۔(رواہ بخاری)

آپ ﷺ یہ باتیں اور تسلیاں اپنے صحابہ کو بھی دیتے تھے اور اِس کے ساتھ قریش کے مشرکوں کو ہلاکت کی وعید بھی سناتے تھے:۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ (حٰمٓ السجدة:٦)

''میں تو ایک بشر ہوں تم جیسا۔ مجھے وحی کے ذریعہ سے بتایا جاتا ہے کہ تمہارا خدا تو بس ایک ہی خدا ہے، لہٰذا تم سیدھے اُسی کا رخ اختیار کرو اور اس سے معافی چاہو۔ تباہی ہے اُن مشرکوں کے لئے''۔

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:۔

قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ O اِنَّ وَلِيِّ ىَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ O وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ (الاعراف:١٩٥،١٩٧)

''اے محمدؐ، ان سے کہو کہ بلالو اپنے ٹھیرائے ہوئے شریکوں کو پھر تم سب مل کر میرے خلاف تدبیریں کرو اور مجھے ہرگز مہلت نہ دو، میرا حامی و ناصر وہ خدا ہے جس نے یہ کتاب نازل کی ہے اور وہ نیک آدمیوں کی حمایت کرتا ہے، بہ خلاف اس کے تم انہیں خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ نہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ خود اپنی مدد ہی کرنے کے قابل ہیں''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوتِ توحید کی وجہ سے ظالم لوگ ایک دن بھی آپ سے خوش نہ ہوئے ۔اِس دعوت کے لئے ان کے دل کبھی راضی نہ ہوئے۔ بلکہ توحید کو دیکھ کر مشرکین کے سینے جلتے رہے ان میں دشمنی ونفرت کی آگ بھڑکتی رہی، بارہا انہوں نے آپ ﷺ سے مصالحت کرنے کی کوشش کی لیکن آپ ﷺ پہاڑ کی مانند ڈٹ کر ان کی تدابیر اور چالوں کا سامنا کرتے رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکوں کے ہدایت پانے کی بہت خواہش تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ یہ باطل چھوڑ کر حق کو قبول کر لیں۔لیکن تمام تر خواہش کے باوجود اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ (آل عمران:١٢)

''پس اے محمدؐ! جن لوگوں نے تمہاری دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے، اُن سے کہہ دو کہ قریب ہے وہ وقت جب تم مغلوب ہو جاؤ گے اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے اور جہنم بڑا ہی برا ٹھکانہ ہے''۔

شیخ عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت قدمی، اعلانِ حق کے واقعات تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس طرح کی شدید ایذائیں دی گئیں اس کے برعکس آج کل کے فتنوں میں مبتلا لوگوں کی حالت دیکھئے کہ یہ لوگ باطل میں مشغولیت اختیار کر کے اسکے سامنے جھکتے ہیں اس کی عظمت بجالاتے ہیں۔ باطل سے محبت کرتے ہیں اس کو پسند کرتے ہیں۔ ہر وقت اُس کی تعریف میں رطب اللسان رہتے ہیں۔ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ فرماتا ہے:۔

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُىِٕلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا (الاحزاب:١٤)

''اگر شہر کے اطراف سے دشمن گھس آئے ہوتے اور اُس وقت انہیں فتنے کی طرف دعوت دی جاتی تو یہ اُس میں جا پڑتے اور مشکل ہی سے انہیں شریکِ فتنہ ہونے میں کوئی تامل ہوتا''۔

ہم اللہ تعالیٰ سے اسلام پر ثابت قدمی کی دعا کرتے ہیں۔ ظاہری، باطنی فتنوں سے پناہ مانگتے ہیں۔ اِس تفصیل سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو دین پر ایمان لانے والے تھے۔ اگر یہ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی مشرکوں سے برأت نہ کرتے مشرکوں اور ان کے معبودوں کو برا نہ جانتے اور اس کا اعلان نہ کرتے تو آپ کو کوئی تکالیف

برداشت نہ کرنا پڑتیں۔ (الدرر السنیۃ: جزء الجہاد ص۱۲۴)

شیخ حمد بن عتیق رحمہ اللہ سورہ کافرون کی تفسیر میں لکھتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ وہ کافروں کو برملا کہہ دے کہ میں تمہارے دین سے بری ہوں اور میرے دین سے تم بری ہو۔ اِس کا مطلب یہ تھا کہ مشرکین کافر ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے اُن کا کوئی تعلق نہ تھا۔ ہر مبلغ اسلام پر لازم ہے کہ وہ بھی یہی الفاظ ادا کرے۔ دین کا اظہار صرف اس فعل سے ہوگا اس لیے جب صحابہ کرام نے اس پر عمل کیا تو مشرکین ان کے دشمن بن گئے۔ نبی علیہ السلام نے صحابہ کو ہجرت حبشہ کا حکم دیا' اگر آپ ﷺ اس کام میں کوئی رخصت پاتے تو ہجرت کا حکم نہ دیتے۔ (سبیل النجاۃ والفکاک: ٦٧)

اشتباہ

اس مقام پر ملتِ ابراہیم سے ناواقف اور توحید سے ناآشنا' اکثر یہ شبہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ملت ابراہیم ہمارے لیے قابل اتباع نہیں ہے۔ یہ شریعت ہمارے لئے منسوخ ہوچکی ہے۔ اس بات کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ مکی دور میں آپ ﷺ نے بیت اللہ میں موجود بتوں کو نہیں توڑا تھا۔ اِس الزام میں بعض معروف شیوخ بھی شامل ہیں' جن کی تصانیف سے کتب خانے بھرے ہیں۔ موصوف نے ایک تقریر میں کہا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے شخص تھے جنھوں نے ملت ابراہیم کی اِتباع نہیں کی۔ وہ اِس طرح کہ آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں تیرہ برس رہے مگر آپ ﷺ نے بیت اللہ میں موجود بتوں سے کوئی تعرض نہیں کیا۔

دراصل کم علم اور کوتاہ نظری کی وجہ سے تمہیں ملتِ ابراہیم کی سمجھ نہیں آرہی ہے۔ بت شکنی تمہاری نظر میں ملتِ ابراہیم کی واحد صورت ہے۔ ایسا سمجھ کر تم نے اپنی تنگ نظری کا ثبوت دیا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے بالفعل اپنی قوم کے بت توڑ ڈالے تھے' تمہارا خیال ہے کہ آپ ﷺ کی دعوت کا مقصد صرف یہی تھا' پہلے ہی روز کلہاڑا اُٹھا کر بت توڑ دیتے تو ابراہیم علیہ السلام کی اِتباع ہوجاتی' آپ ﷺ نے چونکہ پہلے ہی روز بت نہیں توڑے لہذا تمہاری نظروں میں ساری کی ساری ملت منسوخ ہوچکی ہے! اور ہمیں اس ملت سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کرنا چاہئے۔ تمہارے اس قول کا لازمی تقاضا تو یہ سامنے آتا ہے کہ قرآن کی وہ تمام آیات جس میں مسلمانوں کو ملتِ ابراہیم کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے' وہ محض قصے کے طور پر قرآن میں تلاوت کی جاتی ہیں۔ اِسی طرح دیگر تمام انبیاء کی دعوت جو قرآن میں مفصل مذکور ہے وہ ہمارے لئے بے کار اور بے فائدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک ہے کہ وہ اپنی کتاب میں بے کار اور عبث چیز ذکر کرے۔ اس قسم کے شبہات اس لائق نہیں ہیں کہ ان کا مفصل رد کیا جائے۔ یہ شبہات تو صرف ذہنی خلفشار کی عکاسی کرتے ہیں جو صرف کم علمی کی بنا پر پیدا ہوتی ہے۔

آپ گزشتہ صفحات میں ملتِ ابراہیم کی خصوصیات سے واقفیت حاصل کر چکے ہیں' اور اُسے خوب اچھی طرح سمجھ چکے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اسلام کی بنیاد لا الٰہ الا اللہ کے صحیح مفہوم پر ہے۔ اِس کلمہ کا وہی مفہوم ہے جو کلمہ اخلاص کا ہے۔ یعنی مشرکوں سے برأت اور خالص اللہ کی توحید کا اقرار اور اہل توحید سے دوستی رکھنا۔ یہ اُصول شریعتِ اسلام کی محکم اساس ہے۔ اگر دنیا بھر کے عالم جاہل مل کر اس کی تردید کرنا چاہیں تو بھی نہ کرسکیں گے ہم نے یہ وضاحت بھی کی کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے اصحاب کی پیروی کا ہمیں حکم دیا ہے ان کی سیرت بیان کر کے بتایا ہے کہ کیسے انہوں نے مشرکوں سے بغض وعداوت اور اظہار برأت کیا اللہ تعالیٰ نے سورہ ممتحنہ میں اُن کے طرز عمل کو نہ صرف بہترین نمونہ بتایا گیا ہے بلکہ اِس طرزِ عمل میں ہر اُس شخص کے لیے امید کا پہلو بھی ہے جو اللہ سے روزِ آخر کسی انعام کا طلب گار ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَإِنَّ اللهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ (الممتحنة: ٦)

"انہی لوگوں کے طرز عمل میں تمہارے لئے اور ہر اُس شخص کے لئے اچھا نمونہ ہے جو اللہ اور روزِ آخر کا امیدوار ہو۔ اِس سے کوئی منحرف ہو تو اللہ بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے"

گزشتہ صفحات میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ ملتِ ابراہیم کے مقاصد کیا ہیں جس کی دعوت ہم دیتے ہیں اور موجودہ مسلمان اس دعوت میں کوتاہیاں برتتے ہیں تم نے دیکھا کہ یہی وہ راستہ ہے جس میں مدد الٰہی نازل ہوتی ہے۔ دین کو سرفرازی ملتی ہے اور شرک نیست و نابود ہوجاتا ہے اس کے باوجود یہ الفاظ کہنا جو مذکورہ شیخ نے اپنی تقریر میں کہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں جو ۱۳ برس تک بتوں کو توڑا نہیں۔ اور ان کے بتوں کے خلاف اظہارِ عداوت و دشمنی نہیں کیا" ان الفاظ کو سن کر یہی کہا جاسکتا ہے کہ تم اپنے آپ کو یہودی' عیسائی' یا مجوسی کہنے لگ جاؤ اور ملتِ اسلام کو چھوڑ دو۔

رہی یہ بات کہ کیا آپ ﷺ نے مشرکینِ مکہ کے بت اُس طرح نہیں توڑے تھے جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے توڑے تھے تو تمہارا یہ دعویٰ بھی معتبر ترین روایت کی رو سے غلط ہے۔ یہ بات احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے قریش کی غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے واقعتاً بیت اللہ میں رکھے ہوئے بت توڑ ڈالے تھے۔ اور یہ واقعہ فتح مکہ سے پہلے کا ہے' وہ دور جس میں آپ ﷺ کم زور تھے اور صحابہ کرام خوف زدہ رہتے تھے۔

مسندِ احمدؒ ابویعلیٰ اور مسندِ بزّار میں یہ روایت حسن درجے کی موجود ہے:۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں ''میں اور نبی علیہ السلام ایک دن کعبہ میں گئے' آپ ﷺ نے فرمایا علی' بیٹھ جاؤ۔ پھر آپ ﷺ میرے کندھوں پر سوار ہوئے آپ ﷺ نے میری کمزوری کو محسوس کرتے ہوئے کعبہ کی چھت پر چڑھنے کا ارادہ ترک کر دیا' پھر آپ ﷺ نیچے بیٹھ گئے اور میں آپ ﷺ کے کندھوں پر سوار ہو کر بیت اللہ کی چھت پر چڑھ گیا' جب آپ ﷺ نے مجھے اوپر اٹھایا تو مجھے یوں لگا جیسے میں آسمان کو چھو رہا ہوں۔ کعبہ کی چھت پر پیتل کی بنی ہوئی مورتیاں رکھی تھیں۔آپ ﷺ نے حکم دیا کہ انہیں توڑ دو' میں اُنہیں اٹھا اٹھا کر توڑتا گیا اور میرے چاروں طرف وہ ٹوٹ ٹوٹ کر کرچیوں کی طرح بکھر گئے۔ پھر میں نیچے اتر آیا اور ہم مکانوں کی اُوٹ میں چھپتے چھپاتے اپنے گھر پہنچ گئے۔ ہم ڈر رہے تھے کہ کہیں کوئی مشرک ہمیں دیکھ نہ لے۔ امام ہیثمی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مجمع الزوائد میں اس حدیث کا باب ان الفاظ میں باندھا ہے' (آپ ﷺ کا بت توڑنا) اور اس روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں ''اس واقعے کے بعد بیت اللہ کی چھت پر کوئی بت نہ رکھا گیا'' امام ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں اِس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ ابوجعفر طبری رحمہ اللہ نے ''تہذیب الآثار'' میں اس حدیث کے بعض فقہی فوائد بھی لکھے ہیں۔ (دیکھئے: مسند علی ص ۲۳۶ تا ۲۴۳)

اس حدیث کی بنا پر ہم کبھی یہ کہتے ہوئے کوئی حرج محسوس نہیں کرتے کہ استطاعت ہو تو یہ فعل بھی انجام دینا چاہئے یہ بت کسی چیز کا ہو' چاہے کوئی مورتی ہو' قبر' طاغوت ہو' کوئی نظام حکومت ہر زمانے میں بتوں کی شکلیں اور صورتیں بدلتی رہتی ہیں ہماری دعوت ہے کہ ہر بت کے خلاف اعلان بغض و نفرت کرتے ہوئے جہاد کیا جائے۔ اگر بالفرض یہ روایت صحیح نہ تسلیم کی جائے' تو پھر بھی آپ ﷺ کی ملتِ ابراہیم کی پیروی پر کوئی حرف نہیں آتا۔ آپ ﷺ لمحہ بھر بھی مشرکوں اور ان کے معبودوں سے خاموش نہیں ہوئے۔ مکہ میں رہتے ہوئے پورے تیرہ برس آپ ﷺ صرف اسی توحید کی اشاعت پر تندہی سے کاربند رہے' یہی آپ ﷺ کی اصل دعوت تھی۔ لگی لپٹی بغیر ایک ہی بات':۔

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل: ۳۶)

''اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو''۔

یہ کہنا درست نہیں ہے کہ آپ ﷺ پورے تیرہ برس مکہ میں خاموش بیٹھے رہے تھے۔ اُن کے بتوں کی تعریف و ستائش کرتے تھے یا ان کا احترام کرتے تھے جیسا کہ موجودہ دور کے بہت سے داعی حضرات' مشرکانہ قوانین کا احترام کرتے ہیں۔ آپ ﷺ اہلِ شرک اور اُن کے شرک دونوں سے علانیہ برأت کرتے تھے' دعوت کے آغاز ہی سے اُن کے جھوٹے معبودوں کی مذمت کرنا شروع کر دی تھی۔ مکی سورتیں اِس موضوع سے بھری ہوئی ہیں۔ بر سبیلِ مثال سورہ انبیاء میں کفار آپ ﷺ کی بابت کیا رائے رکھتے ہیں' قرآن کی زبانی سنیے:۔

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ (الأنبياء: ۳۶)

''یہ منکرینِ حق جب تمہیں دیکھتے ہیں تو تمہارا مذاق بنا لیتے ہیں۔ کہتے ہیں کیا یہ ہے وہ شخص جو تمہارے خداؤں کا ذکر کیا کرتا ہے؟ اور اُن کا اپنا حال یہ ہے کہ رحمان کے ذکر سے منکر ہیں''۔

حافظ ابن کثیرؒ هٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ میں لفظ يذكُرُ کا معنی يَسُبُّ آلهتكم کرتے ہیں' یعنی تمہارے خداؤں کو برا بھلا کہتا ہے اور تمہارے تصوُّرِ عبادت کو لغو بتاتا ہے۔ مسند احمد اور دوسری کتبِ حدیث میں آپ ﷺ کا وصف کفار کی زبان سے یوں مذکور ہے:۔ ''کیا آپ ﷺ نے ہمارے خلاف باتیں کہی ہیں؟ آپ ﷺ بغیر کسی بزدلی اور خوف کے جواب دیتے ہیں ہاں! میں نے ہی ایسی باتیں کی ہیں! راوایات میں ہے کہ آپ ﷺ اُس وقت بالکل تنہا تھے۔ حدیث مبارکہ کے الفاظ ملاحظہ کریں:۔

((قال عبدالله بن احمد بن حنبل حدثني ابي قال يعقوب :حدثنا أبي عن ابن إسحاق قال: وحدثني يحي بن عروة بن الزبير عن أبيه عروة عن عبدالله ابن عمرو بن العاص قال))

''عروة رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے پوچھا تم نے اکثر اوقات ایسے واقعات دیکھے ہوں گے جس میں قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی دشمنی ظاہر کرتے ہوں گے۔ تو عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا ''ایک بار میں مقام حجر پر قریش کے بڑے سرداروں کے ساتھ بیٹھا تھا' وہ آپ ﷺ کے بارے میں کہنے لگے ''اس سے زیادہ ہم نے کسی پر صبر نہیں کیا' یہ ہمارے خلاف باتیں کرتا ہے' ہمارے دین کو برا کہتا ہے اور ہمارے آبا و اجداد کو گالی دیتا ہے۔ ہمارے معبودوں کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔ اِس شخص پر ہم نے بڑا صبر کیا ہے۔ اِنہی دنوں کا ایک اور واقعہ ہے کہ ہم سب ایک ساتھ جمع تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے استلام اور طواف کیا' جب آپ ﷺ قریش کے قریب سے گزرے تو لوگوں نے آنکھوں سے اشارہ کیا (یعنی مذاق اڑایا) آپ ﷺ کے چہرے پر ناگواری کے آثار نظر آئے' دو چار بار آپ ﷺ نے ان کے غمزہ اور چشم زنی کو برداشت کیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے' میں گردنیں اڑانے کے لیے آیا ہوں'' پھر آپ ﷺ نے وعظ فرمایا جس نے لوگوں کی توجہ کھینچ لی' لوگ خاموش ہو کر آپ ﷺ کی بات سننے لگے ہر شخص ایسے تھا جیسے اس کے سر پر کوئی پرندہ بیٹھا ہو کہ ذرا کو حرکت کی تو اُڑ جائے گا۔ آپ ﷺ نے اس مجلس میں سخت

ترین الفاظ میں وعظ ونصیحت کی، ایک شخص اُٹھ کر کہتا ہے: اے ابوالقاسم (ﷺ) آپ اطمینان سے جاسکتے ہیں، آپ کی بات بجا ہے۔ راوی کہتا ہے بخدا مجھے اِس واقعے کا ایک ایک منظر یاد ہے۔ پھر آپ ﷺ واپس چلے گئے۔

اگلے روز وہ پھر اُسی جگہ اکٹھے تھے اور ایک دوسرے سے پوچھنے لگے، کل تم نے اُنہیں اُس وقت کیوں چھوڑ دیا تھا جب وہ تمہارے خداؤں کی شان میں گستاخی کر رہے تھے۔ اسی دوران میں آپ ﷺ بھی تشریف لے آئے، پھر کیا دیکھتا ہوں کہ تمام لوگ لپک لپک کر آپ ﷺ کے گرداگرد اکٹھے ہوگئے اور پوچھنے لگے، کیا تم نے ہمارے فلاں فلاں کے خلاف بات کی ہے؟ انہوں نے اپنے معبودوں کی عیب جوئی کا ذکر کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں میں نے ہی کہا تھا، اِس کے بعد ایک شخص نے آپ ﷺ کو چادر سمیت کھینچے گا، اُسی وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور کھڑے ہو کر کہنے لگے، اور ساتھ شدتِ غم سے روتے جاتے: "کیا تم اس شخص کو صرف اِس بنا پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے: "میرا رب اللہ ہے"۔ (مسندِ احمد ۷۰۳۶۔ قال احمد شاکر اسنادہ صحیح)

ایک اور روایت میں یہ واقعہ موجود ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ بیت اللہ میں نماز ادا کر رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے آپ ﷺ کی گردن میں چادر ڈال کر سختی سے کھینچا، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُسے زور سے دور ہٹایا، اور کہا "کیا تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور اِس پر اپنے رب کی طرف سے دلائل دیتا ہے"۔ (مسندِ احمد ۲/۲۰۴)

صحیح بخاری میں فرشتوں نے جو آپ ﷺ کی سیرت بیان کی ہے وہ بھی قابل غور ہے۔ فرشتوں نے آپس میں گفتگو کرتے ہوئے کہا "اس نبی نے لوگوں میں تفریق ڈال دی ہے (یعنی مسلمانوں اور کافروں کو جدا جدا کر دیا ہے)

اس کے علاوہ سیرتِ نبی کے مطالعے سے دیانت دار قاری کو یہ بات سمجھنے میں ذرا دیر نہیں لگتی کہ آپ ﷺ دشمنانِ دین کے سخت ترین مخالف تھے۔ ان سے واضح دوری اختیار کر لیتے تھے۔ ہمارے زمانے کے لوگوں کی طرح نہیں کہ جو دین دار ہو کر اہلِ باطل کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اہل باطل کی مدد ونصرت کرتے ہیں۔ اور بزدلی کی انتہاء کو پہنچ گئے ہیں۔ دشمنی اِن سے کیا ہوگی، اِن کے تعاون اور اتحاد کی بنیاد ہی وطن کا مفاد ہے۔ صبح وشام طواغیت کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا اِن کا معمول ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں شیخ عبدالرحمٰن بن حسنؒ کہتے ہیں: "یہ لوگ فتنوں میں حد درجہ مشغول ہو چکے ہیں، اِن کے دل ظلم وزیادتی پر مطمئن رہتے ہیں، یہ لوگ بہ خوشی کافر ہو جانے والے لوگوں سے مل کر دنیاوی عیش وعشرت کے حصول کے لئے ہر کام پر راضی ہو چکے ہیں۔ ذرا بتایئے جو دل ہر میدان میں خواہشات نفس کا پجاری ہو، وہ ایمان پر بھلا کیسے مطمئن رہ سکتا ہے ابن قیمؒ نے دنیاوی طور پر مال ومتاع سے وافر حصہ پانے والے لوگوں کی جو مثال دی ہے، وہ ان پر چسپاں ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ فرماتا ہے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (آل عمران: ۱۸۸)

"تم اُن لوگوں کو عذاب سے محفوظ نہ سمجھو جو اپنے کرتوتوں پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ ایسے کاموں کی تعریف انہیں حاصل ہو جو فی الواقع انہوں نے نہیں کئے ہیں۔ حقیقت میں اُن کے لئے دردناک سزا تیار ہے"۔

یہ لوگ اپنی بدعات وگمراہی پر خوش ہوتے ہیں۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ انہیں سنت کی پابندی کرنے والا سمجھ کر اِن کی تعریفیں کی جائیں۔ یہ باتیں اکثر ان لوگوں میں پائی جاتیں ہیں جو ہمارے ہاں بہ طور عالم کے مشہور ہیں۔ اور اپنے آپ کو صراطِ مستقیم کا دعوے دار کہتے ہیں۔ ((الدرر السنیۃ: جزء الجہاد ص ۱۲۷)

ایک اور اشکال

بعض لوگ اِن دو صورتوں میں فرق نہیں کر پاتے کہ ایک طرف تو ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل شرک کے معبودوں کو برا کہتے ہیں، اُن کے دین کی عیب جوئی کرتے ہیں اور دوسری طرف (سورہ انعام آیت ۱۰۸) میں اللہ فرماتا ہے: "اور گالی مت دو ان کو جن کی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں، کیونکہ پھر وہ جہالت کی وجہ سے حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے"

ان دو صورتوں میں کس طرح مطابقت ہو سکتی ہے؟ ایک جگہ برأت کا حکم ہے اور دوسری جگہ اُسی کام سے منع کیا جاتا ہے۔ گزشتہ صفحات میں جو تفصیل گزری ہے وہ یہ ہے کہ ملتِ ابراہیم کا مقصد معبودانِ باطلہ کے عیب بیان کرنا، اُن کی عزت گھٹانا اور انہیں الوہیت کے مرتبے سے گرانا ہے۔ سب وشتم اور فحش گوئی سے اِس کا تعلق نہیں ہے۔ صریح گالی دینا منع ہے اور اُنہیں عبادت کے حق سے محروم کرنا واجب ہے، اِن دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔ سورہ اعراف میں دعوت کا اسلوب ملاحظہ کریں، اِن آیات میں کافروں کے خداؤں کو گالی بھی نہیں دی جارہی ہے اور اُن کی بندگی کا رد بھی کیا جاتا ہے:۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمۡثَالُكُمۡ فَادۡعُوۡهُمۡ فَلۡيَسۡتَجِيۡبُوۡا لَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ O اَلَهُمۡ اَرۡجُلٌ يَّمۡشُوۡنَ بِهَآ اَمۡ لَهُمۡ اَيۡدٍ يَّبۡطِشُوۡنَ بِهَآ اَمۡ لَهُمۡ اَعۡيُنٌ يُّبۡصِرُوۡنَ بِهَآ اَمۡ لَهُمۡ اٰذَانٌ يَّسۡمَعُوۡنَ بِهَا قُلِ ادۡعُوۡا شُرَكَآءَكُمۡ ثُمَّ كِيۡدُوۡنِ فَلَا تُنۡظِرُوۡنِ O اِنَّ وَلِيِّ ـۧ اللّٰهُ الَّذِىۡ نَزَّلَ الۡكِتٰبَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيۡنَ O وَالَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ نَصۡرَكُمۡ وَلَاۤ اَنۡفُسَهُمۡ يَنۡصُرُوۡنَ (الاعراف:۱۹۴،۱۹۷)

''تم لوگ خدا کو چھوڑ کر جنہیں پکارتے ہو وہ تو محض بندے ہیں جیسے تم بندے ہو۔ان سے دعائیں مانگ دیکھو'یہ تمہاری دعاؤں کا جواب دیں اگر ان کے بارے میں تمہارے خیالات صحیح ہیں۔کیا یہ پاؤں رکھتے ہیں کہ اُن سے چلیں؟ کیا یہ ہاتھ رکھتے ہیں کہ اُن سے پکڑیں؟ کیا یہ آنکھیں رکھتے ہیں کہ اُن سے دیکھیں؟ کیا یہ کان رکھتے ہیں کہ اُن سے سنیں؟ اے محمدؐ،ان سے کہو کہ بلالو اپنے ٹھیرائے ہوئے شریکوں کو پھر تم سب مل کر میرے خلاف تدبیریں کرو اور مجھے ہرگز مہلت نہ دو'میرا حامی و ناصر وہ خدا ہے جس نے یہ کتاب نازل کی ہے اور وہ نیک آدمیوں کی حمایت کرتا ہے بہ خلاف اس کے تم جنہیں خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ نہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ خود اپنی مدد ہی کرنے کے قابل ہیں''۔

اس کے علاوہ ابراہیم علیہ السلام کے دلائل ملاحظہ فرمائیں:۔

اِذۡ قَالَ لِاَبِيۡهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعۡبُدُ مَا لَا يَسۡمَعُ وَلَا يُبۡصِرُ وَلَا يُغۡنِىۡ عَنۡكَ شَيۡـئًا (مریم:۴۲)

''(انہیں ذرا اُس موقع کی یاد دلاؤ) جب کہ اُس نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا جان' آپ کیوں اُن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں اور نہ دیکھتی ہیں اور نہ آپ کا کوئی کام بنا سکتی ہیں؟''۔

اُن کے تصورات کا از خود غلط ہونا قرآن میں یوں بیان ہوا ہے:۔

اَفَرَءَيۡتُمُ اللّٰتَ وَالۡعُزّٰىO وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الۡاُخۡرٰى O اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الۡاُنۡثٰىO تِلۡكَ اِذًا قِسۡمَةٌ ضِيۡزٰى O اِنۡ هِىَ اِلَّاۤ اَسۡمَآءٌ سَمَّيۡتُمُوۡهَاۤ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ ط اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهۡوَى الۡاَنۡفُسُ وَلَقَدۡ جَآءَهُمۡ مِّنۡ رَّبِّهِمُ الۡهُدٰى(النجم:۱۹،۲۲)

''اب ذرا بتاؤ' تم نے کبھی اِس لات اور عزیٰ اور تیسری ایک اور دیوی منات کی حقیقت پر کچھ غور بھی کیا؟ کیا بیٹے تمہارے لئے ہیں اور بیٹیاں خدا کے لئے؟ یہ تو بڑی دھاندلی کی تقسیم ہوئی! دراصل یہ کچھ نہیں ہیں مگر بس چند نام جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ دیئے ہیں۔اللہ نے ان کے لئے کوئی سند نازل نہیں کی۔حقیقت یہ ہے کہ لوگ محض وہم و گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور خواہشاتِ نفس کے مرید بنے ہوئے ہیں۔حالانکہ اُن کے رب کی طرف سے اُن کے پاس ہدایت آچکی ہے''

علاوہ ازیں قرآن نے اُن کے خداؤں کو کبھی طاغوت کہا ہے'کبھی اُن کی عبادت کو شیطان کی عبادت کہا ہے اور اِس سے بڑھ کر یہ کہ تمہارے یہ بت دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔یہ سب اُنہیں عبادت کے مرتبے سے گرانے کے لیے کہا گیا اور بلاشبہ اس میں بتوں کی اہانت بھی ہے۔

دلائل کے ساتھ ساتھ باہمت ہونے میں دوسرا مقصد توحید کو لے کر کھڑا ہونا ہے جو مشرکوں سے اظہارِ دشمنی کر کے ہوتا ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کیا۔

قَالَ اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا كُنۡتُمۡ تَعۡبُدُوۡنَ O اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمُ الۡاَقۡدَمُوۡنَ O فَاِنَّهُمۡ عَدُوٌّ لِّىۡۤ اِلَّا رَبَّ الۡعٰلَمِيۡنَ (الشعراء:۷۵،۷۶،۷۷)

(ابراہیمؑ نے کہا)''کبھی تم نے (آنکھیں کھول کر) اُن چیزوں کو دیکھا بھی جن کی بندگی تم اور تمہارے پچھلے باپ دادا بجالاتے رہے؟ میرے تو یہ سب دشمن ہیں بجز ایک رب العالمین کے''۔

ایک اور مقام پر فرمایا۔

قَالَ يٰقَوۡمِ اِنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَ (الانعام:۷۸)

''برادرانِ قوم! میں تم سب سے بیزار ہوں جنہیں تم خدا کا شریک ٹھیراتے ہو''

اس کے علاوہ مشرکوں سے اعلانِ برائت پر مبنی سورہ کافرون میں یہی مفہوم ذکر ہوا ہے۔گالی گلوچ سے ممانعت کا مقصد یہ ہے کہ بغیر کسی فائدے کے فساد دھڑکانا اور کسی کو عار دلانا اور توہین کا احساس دلانا درست نہیں ہے۔کیونکہ اس کے جواب میں مشرکین'اللہ رب العزت کی شان میں گستاخی کر سکتے ہیں۔اور کبھی کبھار بغیر ارادے کے بھی یہ گستاخی ہو سکتی ہے'خاص طور پر وہ مشرکین جو اہلِ مکہ کی طرح ربوبیت کے قائل ہیں۔

ملتِ ابراہیم کا مقصد لوگوں کو طاغوت سے کفر و برأت کی دعوت دینے سے پورا ہو جاتا ہے۔گالی گلوچ کا تعلق فحش گوئی سے ہے جس سے تمام انبیاء بری ہیں۔بنا بریں' طاغوت کے وہ دوست' جو طاغوتی حکومت کے اسلام پر ہونے کا اصرار کرتے ہیں اُنہیں اُن سے دوری اختیار کرنا چاہیے۔ہمیں چاہیئے کہ ہم اس نظام کی گندگیوں' جعل سازیوں

اور شریعتِ الٰہی سے متصادم اور متضاد ہونے کا اعلان کریں۔موجودہ نظاموں کے بہت سے احکامات ایسے ہیں جو شریعت کے برعکس ہیں۔ سودی بینک کاری کا نظام' منکرات سے منع نہ کرنا، زنا کا عام ہونا، تہمت، چوری، اور شراب نوشی کی پاداش میں حدود اللہ کے نفاذ کے بجائے کافرانہ نظام نافذ کرنا۔ یہ سب سزائیں اسلامی شریعت سے متصادم ہیں۔ اِس لیے غیر اسلامی نظام کی برائی کرنا' فحش گوئی نہیں عین ہمارے ایمان کا مطالبہ ہے' خواہ کوئی اِسے گالی کہے یا کچھ اور۔اب اگر کوئی اللہ کی الوہیت اور غیر اللہ کی بندگی کا اِنکار تو نہ کیا جائے اور غیر اسلامی نظام چلانے والوں کو گالیاں دینے لگ جائے تو یہ اسلام کی دعوت کے بالکل خلاف ہے۔محمد رشید رضا اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:''اس آیت میں ممانعت کا مقصد یہ ہے کہ ایسے طریقے سے کسی کو گالی دینا جس میں مخاطب کی توہین ہو (تو یہ طریقہ ناجائز ہے) کیونکہ ہر گالی دینے والے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ مخاطب کو ذلیل کیا جائے لیکن دعوت میں جھگڑا کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ مخاطَب کی عقل و دانش کو بیدار کرنا ہوتا ہے۔ان کو بتایا جاتا ہے کہ تم جنہیں پکارتے ہو' کیا وہ سنتے ہیں؟ یا دیکھ سکتے ہیں' نفع اور نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ اِن بتوں نے اللہ کے ہاں تمہاری سفارش تو کیا کرنی ہے' یہ تو اپنے آپ کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستوں کو کس طرح قائل کرنے کی کوشش کی' ہر داعی کو اِس پر غور کرنا چاہیے۔اپنے مخاطبین کو توہین کا احساس دلائے بغیر اُنہیں عقل سے کام لینے اور غور وفکر کرنے پر ابھارا۔ بھلے ابراہیم علیہ السلام سخت پیرائے میں سوال کرتے ہیں لیکن اُن کے مخاطَب محض غور کرنے پر ہی اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں' سر جھکائے' حیران و پریشان:۔

اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (الانبیاء:٦٧)

''تُف ہے تم پر اور تمہارے اِن معبودوں پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر پوجا کر رہے ہو۔کیا تم کچھ بھی عقل نہیں رکھتے؟''۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ پر اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اہلِ قریش کو جب یہ خبر ملی کہ آپ ﷺ اُن کے دین اور معبودوں کے عیب بیان کرتے ہیں تو انہوں نے پوچھا' کیا آپ نے فلاں فلاں بات کی ہے؟ دراصل کسی کی عیب جوئی کرنا اہلِ عرب کے نزدیک گالی دینے کے مترادف تھا۔ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی عیب جوئی کو یہاں سب وشتم کے معنی میں لیا ہے۔دیکھیں (الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول:٥٢٨)

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ملتِ ابراہیم کی اتباع کرنے والے اور دعوتِ توحید قائم کرنے والے تھے۔آپ ﷺ نے عیب بتوں کی عبادت کرنے میں نکالے تھے نہ کہ اُن کے نام لے لے کر گالی دینا شروع کر دی تھی۔کسی مفسر نے بھی آپ ﷺ کے اقدام کو ذاتیات پر کیچڑ اُچھالنے سے تعبیر نہیں کیا۔مشرکوں کے نزدیک ایک اللہ کی بندگی کی دعوت دینا ہی گالی کے مترادف تھا۔اللہ کی عبادت کرانے کے لئے آپ ﷺ دلائل سے کام لیتے تھے' گالی قائل کرنے کے لیے نہیں دی جاتی تکرار در تکرار کے لیے دی جاتی ہے۔اُن کے دین کے باطل ہونے پر دلائل دیتے' اُن کے معبودوں کو الوہیت کی تمام صفات سے خالی قرار دینے پر دلائل دیتے۔آپ ﷺ مشرکوں کے آباؤاجداد کو گمراہ کہتے تھے تو اِس کی وجہ بھی اُن کی اندھی تقلید تھی نہ کہ ذاتی دشمنی اور سننے والا محسوس کر لیتا تھا کہ آپ ﷺ یہ سب اُس کی خیر خواہی کے لیے کہہ رہے ہیں۔

مفسرِ قرآن قاسمی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں امام رازی کا قول نقل کیا ہے:۔''اس آیت میں مبلغین کے لئے تنبیہ بیان کی گئی ہے کہ وہ ایسے کاموں میں مشغول نہ ہوں جس کا کوئی فائدہ نہ ہو۔ بتوں کے بارے میں صرف یہ کہنا چاہئے کہ یہ پتھر ہیں' فائدہ دے سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔اتنا کہنا کافی ہے۔مزید کوئی گالی دینے کی ضرورت نہیں ہے۔اگرچہ مشرکین کو یہ کہنا سخت ناگوار گزرے گا لیکن وہ اِس کا رد نہیں کر سکتے' گالی دے کر آپ خود اُنہیں سوچنے کی بجائے لڑنے پر آمادہ کر دیں گے۔ اِس طرح آپ دعوت کو شدید نقصان پہنچانے کے مرتکب ہوں گے۔

محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کہتے ہیں:۔''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مشرکوں کے دین کو غلط قرار دیا اور اُنہیں بے دلیل کر کے رکھ دیا تو سب مشرک آپ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی مخالفت میں ایک ہو گئے' اور کہنے لگے یہ ہمارے دین کو برا کہتا ہے اور ہمارے معبودوں کو گالی دیتا ہے' حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی عیسیٰ علیہ السلام یا مریم علیہا السلام یا فرشتوں یا برگزیدہ لوگوں کو گالی نہیں دی تھی لیکن جب آپ ﷺ اُن کے خداؤں کے متعلق کہتے کہ یہ نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں' اُنہیں مت پکارو' تو مشرکین ان باتوں کو بھی گالی ہی سمجھتے تھے۔

خلاصہ کلام

مندرجہ بالا وضاحت کے نتیجے میں ہم واضح طور پر دو چیزوں میں فرق کو ملحوظ خاطر رکھیں گے اہل باطل کے معبودوں کو اس طرح گالی گلوچ دینا جو فحش کلامی اور دعوت کے لئے نقصان دہ ہو اور اس کے نتیجے میں وہ بھی الہ رب العالمین کی گستاخی کریں' اس اسلوب کو اختیار کرنا ممنوع ہے۔دوسری طرف عقلی دلائل سے باطل عقائد کو غلط ثابت کرنا' مخالف کو سوچنے پر مجبور کرنا اور اس موضوع کو زیر بحث لانا کہ کیا اس کائنات کا ایک رب ہے یا ایک سے زیادہ اور پھر اس بات کو لوگوں سے منوانے پر زور لگانا کہ ہماری عبادتوں کا لائق ایک الہ رب العالمین ہے' ہم اس کے علاوہ تمام پوجے جانے والے معبودوں کی الوہیت کا انکار کرتے ہیں اُنہیں ناچار اور بے بس گردانتے ہیں۔اس عقیدے کا بیان ایک الگ

اسلوب ہے جو کہ ہر اہلِ حق پر فرض ہے۔ اگر کسی زمانے میں اس کی زد پتھر کی مورتی پر پڑتی تھی تو اب بھی مورتی تلاش کرنا اور قانون ساز اداروں کو طاغوت نہ سمجھنا اس وجہ سے کہ وہ مورتی کی شکل میں نہیں تراشے گئے ہیں، عقیدے کے عدمِ فہم پر دلالت کرتا ہے۔

جہاں تک ابوبکر العربی کی کتاب احکام القرآن میں اس قاعدے کی بات ہے کہ ''کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک قسم کا حق بیان کرنے سے دین کا بڑا نقصان ہو جاتا ہے تو اس صورت میں حق کے بیان سے باز رہا جاتا ہے''۔ اس قاعدے کا اطلاق دین کے بنیادی اصولوں پر نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک قسم کے حق کو بیان نہ کرنے کا سبب ایک بڑی چیز کو بچانا ہوتا ہے اور وہ بڑی چیز جسے بچانے کے لئے کسی موقع پر خاموشی اختیار کی جاتی ہے، عقیدہ ہی ہوتا ہے۔ محولا بالا قاعدے کا اطلاق دین کے اصولوں اور بنیادی امور پر نہیں ہوتا کیونکہ کلمہ طیبہ کی شہادت کے اظہار سے اہلِ باطل کے معبودوں کا انکار کرنا ہی مقصود ہوتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ تمام باتیں اس آیت کی رو سے منسوخ نہیں ہیں۔ کسی مسلم کے لئے جائز نہیں ہے کہ اظہارِ توحید اور دین کے شرعی فریضوں کو ایک لمحے کے لئے بھی چھوڑ دے۔ کوئی شخص توحید کو برا کہتا ہے تو یہ اس کی جانتے بوجھتے اپنے ساتھ دشمنی ہوگی۔ اگر ہم یوں اپنے دین کو مخفی رکھنے لگ جائیں تو سارے دین کو چھوڑنا پڑے گا۔ کافروں کو خوش رکھنے کے لئے ہر کام سے رکنا پڑے گا کیونکہ سارے دین میں ایمان باللہ اور کفر بالطاغوت کے احکامات ہیں۔ اس مقام پر غور وفکر کیجئے۔ پھر موجودہ دور کے طاغوتوں کی ان باتوں کو اس شرعی احکام کے تناظر میں دیکھئے جو وہ اپنے کفریہ نظام اور دستور کے بارے میں کرتے ہیں۔ ان تمام آیات کے معانی کو صرف پتھر کے بتوں تک محدود نہ کریں، وگرنہ ایک بڑی اور وسیع چیز بالکل محدود ہو کر رہ جائے گی۔

بنا بریں کسی بات پر خاموش رہنے کے قائدے کا اطلاق واجبات پر لاگو نہیں ہوگا بلکہ صرف مباح اور مستحبات میں جائز ہوگا۔ فرائض اسلام میں سے کسی فریضے مثلاً توحید کا بیان اور مشرکوں کو باطل قرار دینا کسی حالت میں چھوڑا نہیں جا سکتا۔ جیسا کہ بعض افراد کا خیال ہے اگر ہم فرائض کو چھوڑنے لگ جائیں تو سارا دین ضائع ہو جائے گا۔ اسی لیے ابوبکر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''حق بیان کرنے سے اگر دین کا نقصان ہو رہا ہو تو حق بیان نہیں کرنا چاہئے۔ ہاں اگر حق بات کا تعلق فرائض سے ہو تو پھر اسے ہر حال میں بیان کرنا ہوگا۔ اور اگر کسی جائز مباح کام کا بیان ہو رہا ہو تو دینی نقصان سے بچنے کے لئے خاموشی اختیار کرنا ہی بہتر ہوگا'' (احکام القرآن: ۳/۴۷۳)

مفسر قرآن، محمد رشید رضا رحمہ اللہ لکھتے ہیں ''ابو منصور رحمہ اللہ'' سے منقول ہے کہ ''کسی مستحق سب وشتم کو گالی دینے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا ہے، جبکہ مشرکوں سے قتال کرنا جائز ہے، جب اہلِ اسلام قتال کر سکتے ہیں، اور اِس کے نتیجے میں بھی وہ ہمارے خلاف تلوار اُٹھائیں گے تو پھر گالی سے کیوں منع کر دیا گیا ہے؟ اِن دو باتوں میں کس طرح تطبیق دی جا سکتی ہے؟

دراصل معبودانِ باطلہ کو سب وشتم کرنا مباح ہے فرض نہیں ہے۔ اور مشرکوں سے قتال فرض ہے۔ لہٰذا نقصان کے اندیشے سے مباح کو تو چھوڑا جا سکتا ہے۔ لیکن فرض کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ کی پیش کردہ حدیث بھی ہماری رائے کی تائید کرتی ہے'' روایت یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ''وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا'' (اسراء: ۱۱۰) ''اور اپنی نماز نہ بہت زیادہ بلند آواز سے پڑھو اور نہ بہت زیادہ پست آواز سے''۔ اس کی تفسیر میں امام بخاری رحمہ اللہ 'عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت بیان کرتے ہیں۔ عن ابن عباس رضی الله عنهما فی قوله تعالى وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا قال: نزلت ورسول الله ﷺ مختفٍ بمكة، كان اذا صلّى باصحابه رفع صوته بالقرآن، فاذا سمع المشركون سبّوا القرآن ومن انزله ومن جاء به'' کہ جس زمانہ میں رسول اللہ ﷺ مکہ میں چھپ چھپا کر دعوت دیتے تھے تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے بلند آواز سے تلاوت کرتے تھے جب مشرکین مکہ کے کانوں میں آواز پڑتی تو وہ قرآن اور جس نے اُسے اتارا اور جس پر اترا سب ہی کو گالی گلوچ سے نوازتے''۔

تو یہ ان دنوں نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے پہلے مکہ میں موجود تھے۔ جب آپ ﷺ اونچی آواز سے قرأت کرتے تو مشرکین مکہ قرآن کو 'اس کے نازل کرنے والے اور نبی علیہ السلام کو برا بھلا کہنے لگ جاتے تھے۔ اسی لئے یہ حکم ہوا کہ اونچی آواز میں قرأت نہ کرو کہ مشرکین سن کر غلط بات کہیں۔ اور اتنی دھیمی نہ ہو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سن نہ سکیں۔ بلکہ درمیانی آواز اختیار کرو'۔ مزید براں مسلمانوں کا دین تمام اہلِ مکہ پر ظاہر ہو چکا تھا۔ دعوتِ الی اللہ قائم ہو چکی تھی۔ مسلمانوں کی بتوں سے نفرت وبرأت سب پر عیاں تھی۔ لہٰذا اس صورتِ حال میں قرآن کریم کی اونچی آواز میں تلاوت ترک کرنا، دعوت کی روشنی کو ماند نہیں کر سکتا تھا۔ اور نہ کوئی منفی اثر ہو سکتا تھا۔ مشرکوں کے روبرو دعوتِ قرآن پھیل رہی تھی۔ جو شخص اسلام اور ملتِ ابراہیم میں داخل ہونے کا اعلان کرتا تو اس کا نام ''صابی'' پڑ جاتا تھا یعنی یہ شخص کفار کے دین اور اُن کے معبودوں کا منکر ہے۔ دینِ اسلام کا معاملہ مخفی اور چھپا ہوا نہیں تھا۔ اس مسئلے کا ایک دوسرا رخ بھی ہے۔ وہ یہ کہ نماز میں جہری قرأت واجب نہیں محض مباح ہے۔ لہٰذا جہری قرأت کسی نقصان کے اندیشے کے پیشِ نظر ترک کرنا جائز ہے۔ اور اتنا ہی کافی ہے کہ مقتدیوں تک آواز پہنچ جائے۔

اشکال

معترضین ایک اور اِشکال پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ یہ کہ ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں پناہ دی تھی جس کی اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں تحسین فرمائی ''اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی'' (الضحیٰ: ٦) ''کیا اُس نے تم کو یتیم نہیں پایا اور پھر ٹھکانہ فراہم کیا؟''۔ اسی طرح بہت سی مثالیں ہیں کہ کفار نے مسلمانوں کو پناہ دی۔ جیسے ابن الدغنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مکہ میں پناہ دی۔ اسی طرح مسلمانوں کو نجاشی نے حبشہ میں رہنے کی اجازت دی' کیا یہ عمل ملتِ ابراہیم میں مشرکوں سے برأت جیسے عقیدے کے منافی نہیں ہے؟

مذکورہ بالا مثالیں ملتِ ابراہیم کی مخالفت نہیں کرتی ہیں کیونکہ ملتِ ابراہیم اور انبیاء کرام کی دعوت کے دو عنوان ہیں۔

(اول) معبودانِ باطلہ سے برأت اور اللہ کے علاوہ پوجے جانے والے طاغوت کا انکار۔

(دوم) اپنے باطل عقیدے پر اصرار کرنے والے مشرکوں سے عداوت رکھنا۔

ہم نے گزشتہ صفحات پر تحریر کیا تھا کہ کسی بھی مسلمان کے لئے پہلا کام یہی ہوتا ہے کہ وہ مشرکوں اور ان کے جھوٹے معبودوں سے اظہار برأت کرے مسلمانوں کی جماعت کی طرف سے اصل دعوت کا اعلان کرے تا کہ لوگ اس توحید کو اچھی طرح جان لیں۔ اور ہر دین میں داخل ہونے والے پر یہ توحید واضح ہو جائے۔ جہاں تک اہل شرک سے اعلانِ دشمنی کا تعلق ہے تو وہ اُس وقت ضروری ہے جب کوئی حد درجہ حق اور اہلِ حق کا دشمن ہو جائے۔ لیکن ابوطالب باوجود کافر ہونے کے' اسلام اور مسلمانوں کا دشمن نہ تھا بلکہ ابوطالب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت اور پشتبانی کرتا تھا۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنے چچا ابوطالب سے الگ ہونا کبھی آسان نہیں رہا' وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرتے ہر طرح کا فائدہ پہنچاتے اور لوگوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں لڑتے جھگڑتے تھے۔ ابو طالب کی یہ تعاون کی صورت صرف خاندانی اور نسبی روابط کی بنا پر تھی۔ علامہ شنقیطیؒ اضواء البیان جلد ثالث (صفحہ ٤١، ٤٣، ٤٠٦، ٤٠٧) میں اِس کی وجہ بیان کرتے ہیں' وہ لکھتے ہیں:۔ ''اگر کوئی کافر و فاسق شخص اپنے خاندانی روابط کی وجہ سے دین کی تائید کرتا ہو تو اس کے بارے میں ہدایت پا جانے اور حق کی اتباع کرنے کی امید ہوتی ہے۔ جب تک وہ مسلمانوں کی صف میں رہتا ہے اور اُن کا دفاع کرنے میں اُن کا ساتھ دیتا ہے تو اس کے ہدایت پا لینے کی امید قائم رہتی ہے۔ اگر اُس سے قرابت داری بھی ہو تو یہ اُمید اور بڑھ جاتی ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کی ہدایت سے مایوس نہیں ہوئے تھے۔ دوسرا رشتے داروں کا اِس طرح ساتھ رہنا جس سے اہل ایمان کے دین میں کوئی حرج نہ آتا ہو بلکہ اُن کے ایمان لے آنے کی امید بھی ہو تو اِس طرح ساتھ رہنا درست ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کی مدد سے دین کے قیام کے لئے کوشش کر رہے تھے نہ کہ اپنی دعوت میں لچک لا رہے تھے۔ ابوطالب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو اچھی طرح جانتا تھا اور یہ بھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' مشرکوں کے معبودوں کے عیب بیان کرتے ہیں۔ ایک دن اہلِ قریش نے ابوطالب سے مطالبہ کیا کہ وہ نبی علیہ السلام کو دعوتِ اسلام سے روک دیں۔ اور یہ کہ وہ اُن کے معبودوں کے عیب بیان کرنے اور اُن کی امیدوں کو خراب کرنے سے باز رہیں۔ ابوطالب نے اپنی سی کوشش بھی کر دیکھی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو مداہنت اختیار کی اور نہ ہی اپنے چچا کی خوشنودی کے لئے اپنے دین کے کسی حصے سے دست بردار ہوئے۔ حالانکہ ابوطالب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر طرح سے مدد کرتے تھے اہلِ قریش کا گمان تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کی بات نہیں ٹالیں گے۔ اسی موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ ''اللہ کی قسم میں اپنے دین کو چھوڑنے کا نہیں خواہ لوگ سورج سے آگ کا شعلہ ہی لے آئیں۔'' (طبرانی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے اِس فرمان پر عمل کرتے تھے:۔ لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَ ھُمْ (المجادلة: ٢٢)

''تم کبھی یہ نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ اُن لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کی ہے خواہ وہ اُن کے باپ ہوں یا اُن کے بیٹے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا کے ہدایت پا جانے کی بڑی تمنا تھی مگر اِس کے باوجود ابوطالب کی وفات کے وقت ان پر دعاء مغفرت نہ پڑھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کے لئے بعد از مرگ' استغفار سے منع فرما دیا تھا:۔ مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ (التوبة: ١١٣)

''نبی کو اور اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں' زیبا نہیں ہے کہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا کریں''۔

ابوطالب کے مرنے کی اطلاع' علی رضی اللہ عنہ نے یوں دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گمراہ چچا فوت ہو گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' جاؤ اسے دفنا دو''۔ (رواہ احمد' نسائی)۔

شعیب علیہ السلام بھی اپنے خاندانی وجاہت کی وجہ سے مضبوط تھے۔ اِس بات کو خود قرآن ذکر کرتا ہے:۔ ''وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ''(هود:۹۱)''اگر تیرے ساتھ تیری برادری نہ ہوتی تو ہم کبھی کا تجھے سنگسار کر چکے ہوتے''یعنی اگر تیرا خاندان رکاوٹ نہ بنتا تو ہم تجھ سے دشمنی کی ہر حد پھلانگ جاتے۔شعیب علیہ السلام کا خاندان کافر تھا۔اسی طرح صالح علیہ السلام کے خاندانی افراد غیر مسلم تھے مگر آپ کی بھر پور حمایت کرتے تھے۔سورہ نمل میں وہ جس مشکل کا شکار تھے اُسے قرآن نے بیان کیا ہے:۔

قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ (النمل:۴۹)

انہوں نے آپس میں کہا'' خدا کی قسم کھا کر عہد کر لو کہ ہم صالح اور اُس کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے اور پھر اس کے ولی سے کہہ دیں گے کہ ہم اس کے خاندان کی ہلاکت کے موقع پر موجود نہ تھے' ہم بالکل سچ کہتے ہیں''

جب مسلمان اپنا دین واضح کر کے اُس پر جمے ہوئے ہوں' کوئی مسلمان کافر کے سامنے اپنے آپ کو کم تر نہ سمجھتا ہو' مزید براں اُن سے دوستی نہ لگائے اور کافر بذاتِ خود اپنے تعلق اور خاندانی وقار کی خاطر اپنے اَفرادِ خانہ کی حفاظت کرتے ہوں اور اُن میں سے چند اَفراد اِیمان لا چکے ہوں تو اِس صورت میں تحفظ ملنا اور بات ہے جبکہ دین کے کسی حصہ سے دست بردار ہو کر تحفظ لینا بالکل اور بات ہے۔ایک طرف کافر خود سے مدد کرتا ہے' اور دوسری طرف کوئی مسلمان اپنی ذلت وتوہین' اور بزدلی کا اظہار کرتے ہوئے کفار کے باطل ہونے پر خاموشی اختیار کرتا ہے یا اس کے شرک پر راضی ہوتا ہے' اِن دونوں باتوں میں فرق کو کوئی بھی صاحبِ بصیرت شخص معلوم کر سکتا ہے۔

ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب (مشکل الآثار ۳/۲۳۴) میں اِن دو باتوں کے فرق کو اچھی طرح واضح کیا ہے۔ایک طرف کسی مشرک کافر سے جنگ میں خدمات لینے کا جواز شریعت میں موجود ہے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کفار سے دوستی لگانے کو حرام قرار دیتا ہے جس طرح سورہ آل عمران میں وہ فرماتا ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ط (آل عمران:۱۱۸)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنی جماعت کے لوگوں کے سوا دوسروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔وہ تمہاری خرابی کے کسی موقع سے فائدہ اٹھانے سے نہیں چوکتے''۔

بات یہ ہے کہ کسی جنگ کے موقع پر مسلمان کفار سے کوئی مدد لیتے ہیں تو اِس میں اسلام کا ہی فائدہ ہے۔ابن الدغنہ کا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تحفظ فراہم کرنا اسی قبیل سے تعلق رکھتا ہے۔ایک اور مسئلہ جو اسی موضوع کے متعلق ہے اُسے یہاں سمجھ لینا بھی ضروری ہے۔

مشرک والدین سے صلہ رحمی کرنے،اوران سے نیک سلوک کرنے کا حکم اسلام نے دیا ہے۔والدین کا اپنی اولاد سے متاثر ہو کر حق قبول کرنے کی امید اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک اولاد ماں باپ کے ساتھ رہے۔اگر والدین اپنی اولاد کو اسلام سے دور کرنے کی کوشش کریں' تب بھی اُن سے نیک سلوک کرنا چاہئے۔لیکن جب والدین دشمن کے کیمپ میں شامل ہو کر اللہ کے راستے سے روکنے والے بن جائیں پھر وہ حسنِ سلوک کے مستحق نہیں رہتے۔جس طرح ابراہیم علیہ السلام کو آخر کار اپنے والدین پر واضح کرنا پڑا کہ وہ اللہ کی خاطر اُن سے دشمنی کرتے ہیں۔جب نوبت یہاں تک آجائے تو پھر اسی طرح والدین سے علانیہ برأت کرنی چاہئے۔ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح رشتے داری کا پس لحاظ نہیں رکھنا چاہیے۔جنگ کرنی پڑے تو خود کو جنگ کے لئے تیار رکھے' شروع میں ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے والد کے ساتھ نرمی اور حسنِ سلوک سے پیش آتے تھے۔عمدہ طریقے سے دعوت دیا کرتے تھے۔آپ علیہ السلام اپنے والد کی ہدایت کے خواہشمند تھے۔اور شیطان کے دوستوں پر عذاب الٰہی سے خوف زدہ بھی تھے لیکن جب اُن پر اپنے والد کی دشمنی واضح ہوگئی تو پھر آپ علیہ السلام نے اظہارِ برأت کر دیا۔سورہ ممتحنہ میں ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد کے لئے مغفرت مانگنے کا ذکر ہے لیکن سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو مشرکوں کے لئے بخشش کی دعا سے منع فرما دیا:۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ط اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ (التوبة:۱۱۴)

''مگر جب اُس پر یہ بات کھل گئی کہ اس کا باپ خدا کا دشمن ہے تو وہ اُس سے بیزار ہو گیا۔حق یہ ہے کہ ابراہیم بڑا رقیق القلب وخدا ترس اور بردبار آدمی تھا''۔

اسی طرح سورہ عنکبوت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (العنكبوت:۴۶)

''اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر عمدہ طریقے سے''۔

باقی رہا مسئلہ نجاشی کا مسلمانوں کو امان دینے کا تو اس واقعے میں سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کے اظہارِ دین اور عیسائیوں کے درمیان رہتے ہوئے' عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مسلمانوں کے صحیح مؤقف کو بیان کرنا کسی طرح دین کے کسی حصہ سے دست بردار ہونے میں نہیں آتا حالانکہ مسلمان اس وقت نجاشی کی سیاسی امان میں تھے اور ان کو اپنی کمزوری کا علم بھی تھا۔نجاشی نے جب کلام الٰہی کی تلاوت سنی تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔آیات مبارکہ کی اُس نے تصدیق کی اور اُن کی امان کو برقرار رکھا۔اُس موقع پر تو مسلمانوں نے اپنے دین کو خوب بیان کیا تھا۔بعد ازاں حبش کے بادشاہ اور اُس کی رعایا اِسی استقامت کی وجہ سے اسلام لائے۔(الدرر السنیۃ جزء مختصرات الردود ص

۱۲۴، ۱۹۷، ۲۱۲)

خلاصہ کلام

یقیناً اہلِ باطل سے دشمنی اور ان کے معبودانِ باطلہ، خودساختہ ادیان، اور انسان ساختہ قوانین سے برأت و دوری اختیار کرنا' انبیاء کی دعوت کی بنیاد اور اسلام کا اہم ترین رکن ہے۔ دینِ اسلام کی اصل اور شریعت کا دارو مدار اسی محکم اصول پر ہے۔ اگر تمام زمین والے مل کر بھی اس شرعی قانون کو مٹانا چاہیں تو بھی ختم نہیں کر سکتے۔ اس قانون کے مخالفین کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے جس سے وہ درست استدلال کر سکتے ہوں۔ بعض لوگ عمومی احکام کو خاص موقع پر چسپاں کرتے ہیں اور دوسرے شریعت کے ایک خاص موقع کے حکم کو عام' ہر قسم کے حالات پر چسپاں کرتے ہیں۔ یہ بات تو واضح ہو چکی ہے کہ اسلامی شریعت میں اظہارِ برأت کا قانون محکم و مضبوط ہے۔ بعض جزوی دلائل جب ایک دوسرے کی مخالفت کرتے نظر آئیں تو اصلِ فقہ کا کلیہ ہے کہ مختلف فی حکم کو محکم حکم پر پیش کیا جاتا ہے۔ اور کتاب و سنت کے دلائل کو ایک دوسرے سے ٹکرانے کی جسارت نہیں کی جاتی۔ اصحابِ دعوت کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی قوم سے ایک حد تک فاصلہ رکھیں' دین کے فائدے کے بقدر قربت اور دوری کی نفسیات کو حکمت سے استعمال کریں۔ پھر ایمان لانے والوں پر اللہ کی رحمت آئے گی اور اللہ کے دشمنوں کی ہلاکت کا وعدہ پورا ہوگا۔

دعوتِ الی اللہ کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں اور دشمنوں میں فیصلہ اسی وقت کیا جب وہ عقیدے کی بنا پر ایک دوسرے سے دور ہو گئے۔ اور اولیاء اللہ نے ایک اللہ کی عبادت کو اختیار کیا۔ اصحابِ دعوت کے لئے لائق ترین بات یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر کامل یقین رکھیں اور کسی بھی طاغوت کا سامنا کرتے وقت اللہ وحدہٗ لاشریک پر بھروسا کریں۔ گزند پہچانے کے علاوہ طاغوت ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مدد سے عاجز نہیں آتا اور انہیں دشمنوں کے سامنے بے بس ولا چار نہیں چھوڑتا وہ تو اپنے بندوں کو آزماتا ہے۔ مسلمانوں کی صفوں میں اچھے اور برے کو پرکھنے کے لئے آزمائش میں مبتلا کرتا ہے۔ انجام کار غلبہ اہل ایمان کو حاصل ہوتا ہے۔ اور فتح و نصرت کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ (فی ظلال القرآن)

ملتِ ابراہیم پر چلنے والے مختلف دراجات پر ہوتے ہیں

(الف) ایک شخص جو ملتِ ابراہیم اور تمام انبیاء علیہم السلام کے دین پر عمل کرنے والا ہوتا ہے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف زدہ نہیں ہوتا۔ ایسا شخص طائفہ منصورہ سے تعلق رکھنے والا ہوتا ہے' جو ہمیشہ غالب رہتا ہے۔ ایسے شخص کی لوگوں سے میل میلاپ کی وجہ اُنہیں اسلام پر لانا ہوتا ہے۔ وہ اُن کی اِیذا رسانیوں پر صبر کرتا ہے۔ ایسا شخص دونوں جہانوں میں سرفرازی و کامرانی حاصل کرتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ فرماتا ہے:۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (حٰمٓ السجدة : ۳۳)

''اور اُس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں''۔

اسی طرح آپ ؐ نے فرمایا:۔((المؤمن الذي يخالط الناس و يصبر على أذاهم خير))

''وہ مومن بہتر ہے جو لوگوں سے میل جول اختیار کر کے ان کی تکالیف پر صبر کرتا ہے''۔

چونکہ یہ شخص انبیاء کرام علیہم السلام کے دین کو پیش کرتا ہے لہٰذا اس کو بھی انبیاء کرام علیہم السلام جیسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ نہ تو بزدلی اختیار کرتا ہے اور نہ ہی اہلِ باطل کی طرف مائل ہوتا ہے بلکہ اظہارِ برأت کرتے ہوئے دشمنی اختیار کرتا ہے۔ ہر ایسی ملازمت' عہدوں اور کاموں کو چھوڑ دیتا ہے جس سے باطل کی مدد ہوتی ہو۔ ایسا شخص اگر اہلِ باطل کے ملکوں اور شہروں میں رہتا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے لئے ہجرت ضروری ہوتی ہے۔

شیخ حمد بن عتیق ؒ لکھتے ہیں ''اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''تحقیق تمہارے لئے ابراہیم علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں میں اسوۂ حسنہ ہے'' (ممتحنہ :۴) یعنی ایسا شخص اہلِ توحید کے دشمنوں سے اظہارِ برأت کرتا ہے۔ جو شخص اپنے علم و عمل سے اپنے شہر والوں پر حجت قائم کرے تو اس پر ہجرت لازم نہیں ہے۔ چاہے وہ کسی شہر میں رہتا ہو۔ اور جو شخص اظہارِ توحید کو چھوڑ کر صرف نماز' روزے' حج پر عمل کر کے ہجرت ساقط ہونے کا گمان کرے تو وہ شخص دین اور تمام انبیاء علیہم السلام کی رسالت سے لاعلم و بے خبر ہے۔ (الدرر السنیۃ جزء الجہاد :۱۹۹)

مذکورہ قسم اول جیسے لوگوں کے اظہارِ حق کی وجہ سے قتل و سزا کی دھمکیاں دی جائیں اور ان کو ہجرت کرنے کی مہلت نہ ملے تو وہ اہل کہف کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے اپنے دین کو محفوظ رکھنے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں۔ اصحابِ کہف اپنے دین کو بچا کر پہاڑوں میں چھپ گئے تھے۔ اصحابِ اخدود بھی ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہیں جنہیں

عقیدے پر عمل کے جرم اور توحید کے اظہار کی وجہ سے نذرِ آتش کر دیا گیا۔لیکن انہوں نے بزدلی اور کمزوری اختیار نہیں کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسوۂ حسنہ ہیں جنہوں نے ہجرت کی، جہاد کیا، شہید ہوئے لیکن راہِ توحید کو نہ چھوڑا۔

(ب) پہلی قسم سے ذرا کم درجے کے لوگ مراد ہیں جو اس پُر خطر، تکلیف دہ راہِ توحید پر چلنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔اپنے دین کا اظہار نہیں کر پاتے۔انہیں چاہئے کہ وہ اپنی چند بکریاں لے کر پہاڑوں کی چوٹیوں اور وادیوں میں چلے جائیں۔اللہ کی عبادت کریں اور فتنوں سے اپنے دین کو بچائیں۔

(ج) ایسا کمزور شخص جو اپنے دین کی حفاظت کے لئے اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے رکھتا ہے۔اپنے آپ کو خاص طور پر مشرک اور مشرکوں سے دور رکھتا ہے۔تا کہ اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچا سکے جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے۔ایسا شخص کفار سے اجتناب کرتا اور اعراض کرتا ہے۔ان کے باطل عقائد سے راضی نہیں ہوتا ان کی تائید نہیں کرتا۔اِس شخص کو اگر اپنی توحید سلامت رکھنی ہے تو مشرکوں سے مطمئن دل کے ساتھ بغض وعداوت رکھے۔اور اسلام کی کمزوری دور ہونے کا منتظر رہے۔اپنے دین کو بچانے کے لیے ہجرت کرنے کا موقع تلاش کرتا رہے تا کہ کسی ایسے شہر میں رہے جس میں شر وفساد کم سے کم ہو۔جیسا کہ مہاجرین حبشہ نے ہجرت کی تھی۔

(د) آخری قسم ایسے شخص کی ہے جو اہل باطل سے راضی رہتا ہے۔ان کی گمراہی کی مخالفت سے ڈرتا ہے۔ایسے شخص کے بارے میں شیخ حمد بن عتیق رحمہ اللہ نے تین حالات ذکر کئے ہیں۔(رسالہ سبیل الفکاک:۶۲)

پہلی حالت: اہل باطل سے ظاہری اور باطنی دونوں طرح سے موافقت کرنا ایسا شخص کافر خارج از اسلام ہے مجبور ہو یا خود مختار دونوں حالتوں میں وہ کافر ہوگا ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (النحل:۱۰۶)

''مگر اس نے دل کی رضامندی سے کفر کو قبول کر لیا اس پر اللہ کا غضب ہے اور ایسے سب لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے''۔

دوسری حالت: ظاہری طور پر تو مخالفت کرتا ہے مگر باطنی طور پر اہلِ باطل کی حمایت کرے۔یہ لوگ بھی کافر ہیں۔منافقین کا شمار بھی انہی لوگوں میں ہوتا ہے۔

تیسری حالت: باطنی طور پر تو مخالفت کرے مگر ظاہراً اہلِ باطل کی موافقت کرے۔اس قسم کے لوگوں کی آگے دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو ظاہری حمایت اس لئے کرتے ہیں کہ وہ حکومت کی طرف سے قید کئے جانے یا قتل کئے جانے سے ڈرتے ہیں۔وہ دل سے ایمان پر مطمئن ہوتے ہیں، حالتِ اِکراہ میں وہ کفریہ کلِمات ادا کرتے ہین جیسا کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔اس کے متعلق اللہ کا فرمان ہے:۔

اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ (النحل : ۱۰۶)

(وہ اگر) مجبور کیا گیا ہو اور دِل اُس کا اِیمان پر مطمئین ہو (تب تو خیر) مگر . . .

میں ایسے لوگوں کے متعلق کہتا ہوں انہیں ہمیشہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح یہ دعاء مانگنی چاہیے:۔

جیسا کہ یہ دعا ہے:

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا (النساء:۷۵)

''خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں، اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے''۔

❷ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو لوگ ظاہری طور پر تو اہل باطل کی موافقت کرتے ہیں اور باطنی طور پر انہیں ناپسند کرتے ہیں، باطن میں انہیں ناپسند کرنا کوئی فائدہ نہ دے گا۔اِس فائدے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔یہ لوگ بِنا اِکراہ محض اقتدار اور مال وزر کے لالچ میں یا اپنے وطن اور اہل وعیال کے چھٹ جانے کی وجہ سے ایسا عمل کرتے ہیں۔انہیں ہر وقت اپنے مال وزر کے ضائع ہونے کا خطرہ لگا رہتا ہے۔ ایسے لوگ اس حالت میں مرتد ہوں گے۔باطنی نفرت انہیں کچھ فائدہ نہ دے گی اس لیے کہ ان کے بارے میں قرآن کا دوٹوک فیصلہ ہے:۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ لا وَاَنَّ اللهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (النحل:۱۰۷)

''یہ اس لیے کہ انہوں نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا، اور اللہ کا قاعدہ ہے کہ وہ اُن لوگوں کو راہِ نجات نہیں دکھاتا جو اُس کی نعمت کا کفران کریں''۔

اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ یہ لوگ اپنے تئیں کفر نہیں کرنا چاہتے تھے، انہیں باطل سے محبت بھی نہیں ہوتی۔یہ مفاد پرست ہوتے ہیں، دنیا کو دین پر ترجیح دیتے ہیں۔
شیخ حمد بن عتیق رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے ''مجموعۃ رسائل نجدیہ:۴۲''، میں وہ لکھتے ہیں:۔''جان لو کہ کوئی مسلم جب شرک کرے یا

شرک نہ کرے مگر حق پرستوں کے مقابلے میں مشرکین کا ساتھ دے تو اس سے وہ کافر ہو جاتا ہے' کتاب وسنت میں اس بات کے بے شمار دلائل ہیں۔ سورہ نحل کی آیت ۱۰۶ کے مخاطبین تمام مفسرین کے نزدیک مسلمان ہیں:۔

مَنْ كَفَرَ بِاللهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ (النحل : ۱۰۶)

''جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کرے (وہ اگر) مجبور کیا گیا ہو اور دل اس کا ایمان پر مطمئن ہو (تب تو خیر ہے) بصورت دیگر ۔ ۔ ۔ ''۔

اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ دنیا کی محبت میں کوئی مسلمان کفر کرے تو وہ کافر ہوگا۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیت صحابی رسول عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی تھی جنہوں نے بحالت مجبوری کلمہ کفر اپنی زبان سے ادا کیا تھا۔

شیخ حمد بن عتیق رحمہ اللہ اور شیخ سلیمان رحمہ اللہ ' آلِ شیخ کی مذکورہ بالا بحث' ہمارے مباحث سے کلی مطابقت رکھتی ہے۔ اگر یہ ہمارا کلام ہوتا اور بڑے جلیل القدر ائمہ کا کلام نہ ہوتا تو کہا جاتا یہ بات کرنے والا کافر اور خارجی ہے۔ ہم یہاں عارضی حالات' جیسا کہ حالتِ اِکراہ' سے بحث نہیں کر رہے ہیں۔ یہ مسئلہ اس سے مختلف ہے۔ ہم یہاں ایسے لوگوں کے بارے میں بحث کر رہے ہیں جو مجبور نہیں ہیں' نہ انہیں اللہ کے راستے پر چلتے ہوئے ایذا پہنچی ہے۔ یہ اہل باطل سے محبت اور موافقت صرف دنیا کے لالچ میں کرتے ہیں ۔ انہیں مال وزر کے چھن جانے اور گھر بار اُجڑ جانے کا خوف ہوتا ہے۔ یہی چیز تو آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح اور توحید کو بیچ کر دنیاوی مال کا حصول ہے۔ بسا اوقات اقتدار میں رہنے والے لوگ اپنے آپ کو مجبور کہتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ انسان کبھی حالتِ اِکراہ میں واقعتاً ہوتا ہے' اس لیے اِکراہ کا شریعت میں کب اعتبار ہوتا ہے اِسے جان لینا اَز حد ضروری ہے۔ جہاں تک سرکاری مناصب میں رہتے ہوئے عقیدہ الولاء اور البراء کا پاس نہ رکھنے والوں کا تعلق ہے تو اُنہیں یہ آیت پڑھ لینا چاہیے:۔

وَيُحَذِّرُكُمُ اللهُ نَفْسَهٗ ۚ وَاِلَى اللهِ الْمَصِيْرُ O قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللهُ (آل عمران:۲۸،۲۹)

''مگر اللہ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور تمہیں اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ اے نبی! لوگوں کو خبردار کر دو کہ تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے' اُسے خواہ تم چھپاؤ' یا ظاہر کرو' اللہ بہر حال اسے جانتا ہے''۔

اس کے بعد والی آیت روزِ قیامت کی بے بسی کا نقشہ پیش کرتی ہے:۔

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّ مَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللهُ نَفْسَهٗ ۭ (آل عمران: ۳۰)

''وہ دن آنے والا ہے' جب ہر نفس اپنے کیے کا پھل حاضر پائے گا خواہ اُس نے بھلائی کی ہو یا برائی۔ اس روز آدمی یہ تمنا کرے گا کہ کاش ابھی یہ دن اس سے بہت دور ہوتا! اللہ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے''۔

جو شخص کتاب اللہ پر غور وفکر کرے گا اس کے لئے یہ سب سے بڑی وعید ہے لیکن جس شخص کو اللہ تعالیٰ فتنوں میں مبتلا کر دے تو پھر اُسے کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ اور نہ ہی وہ ہدایت پا سکتا ہے۔ اکثر لوگ اپنی ایسی مجبوریوں کو بطور عذر پیش کرتے ہیں جو حقیقی نہیں ہوتیں۔ ضروری ہے کہ یہاں شرعی اِکراہ کی اہم شروط جان لیں:۔

شریعت میں اِکراہ کی شروط

علماء کرام نے اِکراہ کی چند شرائط بیان کی ہیں جن کے بغیر کوئی شخص مکرَہ (جسے مجبور کیا گیا ہے) ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا' وہ شروط درج ذیل ہیں:۔

1. مکرِہ (مجبور کرنے والا) جب اپنی دھمکی پر عمل کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ اور مکرَہ فرار ہونے یا اپنا دفاع کرنے پر قادر نہ ہو تو اسے حالتِ اکراہ میں سمجھا جائے گا۔
2. مجبور ہونے والے کو یقین ہو کہ اگر میں نے اظہارِ کفر سے انکار کیا تو دھمکی دینے والا اپنی دھمکی پر عمل کر گزرے گا۔
3. مکرِہ (صاحبِ قوّت) نے دھمکی میں مہلت نہ دی ہو۔ اگر یوں کہے کہ کفر کرو' وگرنہ میں کل تمہیں قتل کر دوں گا تو اسے اِکراہ نہ کہا جائے گا۔
4. مکرَہ سے قطعاً یہ ظاہر نہ ہو کہ وہ خوشی خوشی مکرِہ کے احکام مان رہا ہے۔ اسی طرح یہ سمجھ لینا کہ اللہ کی نافرمانی ذرا بڑھ کر کروں گا تو جلد جاں بخشی ہو جائے گی۔ مزید براں اہلِ علم عام گناہ اور کلمہ کفر میں بھی فرق کرتے ہیں' کلمہ کفر کے لیے حالتِ اِکراہ کا شدید تر ہونا بھی ضروری ہے۔ کلمہ کفر اور اللہ کے دشمنوں سے موالات کے لیے فی الواقع تشدد کیا گیا ہو اور موت' پھانسی اور آگ کے الاؤ میں جھونکے جانے کا یقین ہو یا جسم کے اعضاء کاٹ کر الگ کیے جاتے ہوں یا کم از کم قید و بند کی سختی کا یقین ہو۔ اِس سے کم تر حالت میں گناہ کرنے کا جواز ہے' کفر کا نہیں۔ مذکورہ بالا آیات' عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی تھیں۔ انہوں نے کفار کے مطالبے پر نازیبا الفاظ اُس وقت نکالے تھے جب اُن کے سامنے اُن کے ماں باپ دونوں کو قتل کر دیا گیا تھا' خود اُن کے اپنے جوڑ جوڑ ٹوٹ گئے تھے' پھر کہیں جا کر وہ اُن کا کہا مانتے ہیں۔ موجودہ دور کے جھوٹے عذرات پیش کرنے والے لوگ جو

شرک و باطل میں غرق ہو چکے ہیں انہیں تو عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جیسی سزاؤں کا عشر عشیر بھی نہیں دیا گیا لیکن بات وہی ہے جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہی فتنوں میں مبتلا کر دے پھر وہ ہدایت نہیں پا سکتا۔

اس مسئلے میں علماء کرام فرماتے ہیں کہ حالتِ اِکراہ میں کلمہ کفر ادا کرنا رخصت ہے عزیمت بہرحال ڈٹ جانے میں ہے۔ اب ذرا ہمارے معترضین کا حال سنیں جو بات شریعت میں خاص موقع کے لیے عارضی طور پر بطور رخصت کے ہے وہ اِس خاص اُصول کا اِطلاق ہر وقت روا رکھنے کو درست بتاتے ہیں۔ بلاشبہ بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کے واقعات اور احوال اور نظریات اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ وہ اپنے لیے عزیمت کو پسند کرتے تھے اور جان دے کر ثابت کرتے تھے کہ یہ دین اتنا ہی عظیم ہے کہ اس کے لیے جانیں لُٹائی جا سکتی ہیں۔ صحیح بخاری میں اِمام بخاری رحمہ اللہ عزیمت اختیار کرنے پر پورا باب باندھتے ہیں۔ (باب من اختار الضرب والقتل والھوان علی الکفر) اس بات کا بیان کہ کلمہ کفر ادا کرنے کی بجائے تشدد پھانسی اور اہانت آمیز سلوک برداشت کرنا۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مبنی برعزیمت واقعات بھی ہمارے لیے نمونہ ہیں۔ ذرا سی تکلیف پر اپنے دین سے دست بردار ہونے والوں کی نفسیات قرآن یوں بیان کرتا ہے:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ (العنکبوت: ۱۰)

''لوگوں میں سے کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ ہم ایمان لائے اللہ پر۔ مگر جب وہ اللہ کے معاملے میں ستایا گیا تو اس نے لوگوں کی ڈالی ہوئی آزمائش کو اللہ کے عذاب کی طرح سمجھ لیا''۔

علاوہ ازیں یہ بھی اسلامی شریعت کا اُصول ہے کہ اگر کفار دو چیزوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا کہیں اور اُن میں سے ایک اختیار میں دین کا نقصان نسبتاً کم ہے تو کم نقصان والا راستہ چننا واجب ہوگا۔ جیسا
کہ شعیب علیہ السلام کے قصے سے ثابت ہوتا ہے۔ اُنہیں دو اختیار تھے کفر کی طرف لوٹ جائیں یا بستی سے نکل جائیں اُنھوں نے بستی سے نکلنا قبول کیا تھا اپنے دین پر حرف نہیں آنے دیا۔ یہ ہے انبیاء کا طریقہ اور دوسرا ہے دین کو بدنام کرنے والوں کا طریقہ۔ ہم اس قدر تفصیل سے اس لئے بیان کر رہے ہیں تا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے عقل اور ایمان بخشا ہو وہ ان مسائل کو اچھی طرح جان لے کیونکہ اس پُرفتن دور میں دین کی معرفت رکھنے والے داعی کم ہی ملتے ہیں۔ لوگوں کی اکثریت اقتدار کی خاطر طاغوتی نظاموں کا حصہ بن چکی ہے۔ انہوں نے یہ راستہ بغیر مجبوری کے اختیار کیا ہے۔ انہوں نے دنیا کی زندگی مال ومتاع اور عہدوں کی خاطر دین الٰہی کو چھوڑ دیا ہے بلکہ انہوں نے گھٹیا ترین قیمتوں میں دین کو بیچ ڈالا ہے۔ ان لوگوں میں داخل ہونے سے بچو تا کہ کل ندامت نہ اٹھانی پڑے۔

مذکورہ بالا تفصیلی مباحث سے جن لوگوں کو شروع میں تعجب ہوا ہوگا اُمید ہے جلیل القدر علماء کے اقوال جاننے کے بعد وہ دور ہو گیا ہوگا۔ شیخ حمد بن عتیقؒ نے اوپر جو بات بیان کی ہے وہ دوبارہ ملاحظہ فرمائیں: ''جو شخص مشرکوں سے باطنی مخالفت کے ساتھ ظاہراً موافقت کرتا ہے تو اس کے پاس ایسا کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس کا یہ عمل خالص دنیا کی محبت میں شمار ہوگا نہ کہ کسی مجبوری کے پیش نظر'' ان کے قول سے مراد یہ ہے کہ ہم کیسے حقیقتِ حال سے واقف ہو سکتے ہیں کہ اس کے دِل میں کیا نیت تھی ہم تو ظاہر دیکھیں گے باطن سے روشناس ہونے کا ذریعہ صرف وحی الٰہی ہے۔ (جیسا کہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے واقعے میں ان کی باطنی حالت وحی کے ذریعے معلوم ہوئی تھی)۔ ہم لوگوں کے باطن کے پابند نہیں ہیں۔ ہم تو صرف ظاہری حالتوں پر حکم لگانے کے پابند ہیں۔ جیسا کہ ہم ظاہری طور پر شعائر اسلام ادا کرنے والے منافقوں سے قتال نہیں کر سکتے۔ اسی طرح ہم کفار سے ظاہری دوستی لگانے والے اور ان کی طرف مائل ہونے والے پر حکم لگائیں گے اگر چہ وہ شخص اپنے آپ کو باطن میں مسلمان سمجھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا میں ظاہری احکام کا پابند کیا ہے کائنات میں اللہ ہی ہے جو پوشیدہ رازوں کو جاننا اور جھوٹے سچے کا علم رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال اور ان کی نیتوں کے مطابق ان سے حساب وکتاب کرے گا جیسا کہ بخاری ومسلم کی روایت ہے: ''ایک لشکر کو اللہ تعالیٰ زمین میں دھنسا دے گا۔ اس لشکر میں مجبور کیے گئے اور جان بوجھ کر آنے والے دونوں قسم کے لوگ ہوں گے۔ اللہ سب کو ہلاک کر دے گا پھر قیامت کے دن ان کی نیتوں کے مطابق ان سے حساب کتاب ہوگا''۔ صحیح بخاری میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے ''ہم عہد رسالت میں وحی الٰہی کے مطابق کام کرتے تھے۔ وحی سے جس کی بھلائی معلوم ہوتی ہم اس پر عمل کرتے تھے۔ ہمارے راز سب اللہ تعالیٰ پر عیاں تھے۔ ہم کسی کے پوشیدہ حالات جاننے کی کوشش نہ کرتے تھے۔ جس شخص کے بارے میں وحی سے معلوم ہوتا کہ برا ہے تو ہم اس کو اچھا نہ سمجھتے تھے اگر چہ اس کی ظاہری زندگی اچھی ہو''۔ نبی علیہ السلام اسی طرح جنگوں اور دیگر مواقع پر لوگوں سے برتاؤ کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے۔ وہ مکہ میں ہی رہے اور مدینہ ہجرت نہ کی۔ غزوہ بدر میں آپ مشرکوں کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف شریک تھے۔ مسلمانوں نے آپ کو قیدی بنا لیا۔ اور ان کی ظاہری حالت کے مطابق ان سے معاملہ کیا۔ ان کے اسلام لانے کے دعوؤں کو قبول نہ کیا کیونکہ آپ مشرکوں کی صفوں میں شامل ہو کر جنگ کے لئے نکلے تھے۔ (مجمع الزوائد صفحہ ۸۸،۸۹،۶/۹۱)

بعض روایتوں میں آپ کے مجبور ہونے کا بھی ذکر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے فرمایا ''چچا اگر آپ اپنے دعوے میں سچے ہو تو اللہ آپ کے دِل کو

خوب جانتا اور وہی جزا دینے والا ہے مگر ہم ظاہر کے پابند ہیں' اپنا فدیہ دیجیے اور خلاصی پایئے''۔ (رواہ احمد)

اس روایت کے علاوہ صحیح بخاری سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ساتھ آپ کی ظاہری حالت جیسا سلوک کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ثقیف کے حلیفوں کے ایک قیدی شخص کو اس کے اسلام قبول کرنے کے دعوے کے باوجود آزاد نہ کیا تھا۔ (رواہ مسلم)

یہ جان لیجئے کہ ہم معاملاتِ دنیا میں ظاہر کے مکلّف ہیں باطن کے پابند نہیں ہیں۔ اس بات میں بھی اللہ تعالیٰ کا ہم پر احسانِ عظیم ہے۔ وگرنہ اسلام اور مسلمان' ہر خبیث وزندیق کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ جاتا۔ حقیقت یہی ہے کہ جو ظاہری طور پر کفریہ عمل کرتا ہے تو اس پر ایسے احکامات لاگو کیے جاسکتے ہیں جو کسی کافر پر لاگو کیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ مرتدوں کو قتل یا قید کیا جاتا ہے۔ مزید معلومات کے لئے مرتدوں کے بارے میں دلائل دیکھے جاسکتے ہیں۔ بعض مرتدین مسیلمہ کذاب کی جھوٹی نبوت کی گواہی دینے والے تھے ان کے ساتھ بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ظاہری حالت کے پیش نظر جہاد کیا تھا۔ انہیں قتل یا قید کیا گیا تھا۔ مرتدوں کے خلاف جہاد کرنا' ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں گراں قدر اضافہ تھا۔ ان واقعات سے ہمارا نقطہ نظر درست ثابت ہوتا ہے۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے اپنے چھ رسائل میں اس مسئلے پر خوب بحث کی ہے اس کا خلاصہ ذیل میں درج ہے ''عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے قصے سے جو سمجھا اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں بیان کر دیا کہ مشرکین مکہ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حملے کی اطلاع دینا کفر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ کی بات کا رد نہیں کیا اور یہ نہیں کہا کہ ''جو کسی بھائی کو کافر کہتا ہے تو ان دونوں میں سے ایک ضرور کافر ہوتا ہے''۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ کے فہم کو درست قرار دیا تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے لیے وحی کی روشنی میں استثنائی حکم دیا تھا۔ آج کوئی اور شخص یہی کام کرے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق کافر ہی قرار پائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے عمر تمہیں کیا معلوم! اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر میں جہاد کرنے والوں کو بخش دیا ہے''۔ خود حاطب بن ابی بلتعہ مسلمانوں کی جاسوسی کرنے کو کفر سمجھتے تھے' اپنا موقف بیان کرتے ہوئے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں' میں نے یہ کام کفر یا ارتداد کی وجہ سے نہیں کیا ہے۔ بعض روایات میں اُن کے الفاظ ہیں: ''میں نے یہ کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت یا مسلمانوں سے نفاق کرنے کی نیت سے'' (صحیح بخاری)

صحابی کا استثناء خود وحی کے ذریعے ہو گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب رضی اللہ عنہ کے دلی طور پر مومن ہونے اور بدری صحابی ہونے کی وجہ سے من جانب اللہ مغفرت کی گواہی دی تھی۔ کیا آج کل کے کفار سے دوستی لگانے والے سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ کے قصے کو بطور دلیل پیش کر سکتے ہیں؟ ہم یہ سوال اسی وقت پوچھ سکتے ہیں جب ہمیں ان کے باطنی طور پر سچا ہونے کا علم ہو جائے۔ اور یہ معلوم ہو جائے کہ انہوں نے مسلمانوں کی جاسوسی کفر اور ارتداد کے لئے نہیں کی ہے۔ اب ہم سلسلۂ وحی کے ختم ہو جانے کے بعد ان کے پوشیدہ فعل اور باطنی حالتوں کی سچائی کا علم کیسے حاصل کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کون ہے جو ان کے متعلق گواہی دے اور اُن کے لیے وحی اُترے۔ ہم انقطاع وحی کے بعد کسی کی نیت جاننے کے پابند نہیں ہیں۔ اس لیے جو شخص کفار سے دوستی کرے گا ہم اس کی ظاہری فعل پر حکم لگائیں گے۔ اگر وہ سچا ہو گا تو اللہ ہی اسے جان سکتا ہے۔ وہ اگر کافروں میں رہنے کی وجہ سے مسلمانوں کے حملے کے نتیجے میں مارا جاتا ہے تو اس کی نیت کے مطابق اللہ اس کا حساب کرے گا۔ چونکہ کفار سے دوستی لگا کر وہ اپنے اسلام کو داؤ پر لگا چکا ہوتا ہے لہٰذا اس پر کافروں والے احکام لگائے جائیں گے۔ مسلمان کا اُس کے قتل پر مؤاخذہ نہیں کیا جائے گا خواہ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہونے والا کتنا ہی دعویٰ کرے کہ وہ باطنی طور پر مسلمان تھا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس مسئلے کے متعلق (مجموع الفتاویٰ: ۲۸/۵۳۷) اور علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب (زاد المعاد: ۳/۴۲۲) میں اِس مسئلے پر سیر حاصل مباحث لکھے ہیں۔ تفصیلات کے لیے مذکورہ بالا کتابیں اور سورہ نساء کی آیت ۹۷ کی تفسیر ملاحظہ کریں۔

حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی مراسلت

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (۷/۵۲۱) میں سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ کے مشرکوں کو لکھے ہوئے خط کا متن نقل کیا ہے۔

((أما بعد! قد جاء كم بجيش كلليل يسير كالسيل فوالله يا معشر القريش فان رسول الله صلى الله عليه وسلم لو جاء كم وحده لنصره الله وأنجز له وعده فانظروا لانفسكم والسلام.))

''امابعد' قریش کے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ راتوں جیسا (ناقابلِ تسخیر) لشکر لے کر آ رہے ہیں جو آندھی طوفان بن کر تم پر چھا جائے گا۔ اللہ کی قسم اگر رسول اللہ تنِ تنہا بھی فتح مکہ کے لئے نکل پڑیں تو بھی اللہ کا وعدہ ضرور پورا ہو کر رہے گا (اور وہ اپنے پیغمبر کو فتح سے ہم کنار کرے گا) تم اپنی خبر لو'

میں کہتا ہوں اگر کوئی عقلمند اس خط کو پڑھے تو معلوم ہو گا سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ اللہ کی مدد پر کتنا یقین رکھتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں چند عظیم آیات نازل فرمائی ہیں جن کو پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّىْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِىْ سَبِيْلِىْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِىْ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ (الممتحنة: ۱)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو' اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے کے لئے اور میری رضا جوئی کی خاطر (وطن چھوڑ کر گھروں سے) نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم اُن کے ساتھ دوستی کی طرح ڈالتے ہو' حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے اُس کو ماننے سے وہ انکار کر چکے ہیں۔ اور اُن کی روش یہ ہے کہ رسول کو اور خود تم کو صرف اِس قصور پر جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب' اللہ پر ایمان لائے ہو۔ تم چھپا کر اُن کو دوستانہ پیغام بھیجتے ہو' حالانکہ جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو علانیہ کرتے ہو' ہر چیز کو مَیں خوب جانتا ہوں۔ جو شخص بھی تم میں سے ایسا کرے وہ یقیناً راہِ راست سے بھٹک گیا''۔

دیکھئے ان آیات میں کس سخت پیرائے میں اللہ تعالیٰ نے اس فعل کو کفار کی محبت سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے بعد موجودہ دور کے اسلام کے نام لیواؤں پر نظر ڈالئے۔ یہ لوگ کفریہ قانون کی بندگی' مدد اور محبت میں تمام حدیں پھلانگ چکے ہیں۔ یہ لوگ توحید و شریعت کے دشمن' یہود و نصاریٰ سے دوستیاں نبھانے میں بری طرح پھنس چکے ہیں۔ ان کی حالت سے دینِ اسلام کی اجنبیت کا احساس بڑھ جاتا ہے۔ آپ اپنے آپ کو اس حالت میں پہنچنے سے بچا سکتے ہیں تو بچا لیں۔

شیخ حمد بن عتیق ؒ لکھتے ہیں'' آج کل اکثر لوگوں نے عذرات تراش رکھے ہیں اور اُن پر تکیہ کیے ہوئے ہیں حالانکہ یہ بہانے شیطان بنا کر اور سنوار کر کے پیش کرتا ہے۔ شیطان اپنے دوستوں سے انہیں ڈراتا ہے حالانکہ اس خوف کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ مگر وہ اپنے عذرات کو حد درجہ درست منوانے پر مصر رہتا ہے اور مشرکوں کے ساتھ موافقت اور اُن کی اطاعت کو جائز سمجھنے لگتا ہے۔ اِس کے بعد شیخ حمد بن عتیق ؒ ' امام ابن تیمیہ ؒ کا کلام کو نقل کرتے ہیں۔ (جو تفصیل سے آگے آئے گا) لکھتے ہیں ''مسلمانوں کی اس صورتحال کو دیکھ کر نبی علیہ السلام کے اس قول کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے کہ ''اسلام اپنی ابتداء میں لوگوں کے لیے اجنبی تھا اور دوبارہ یہ اپنے ماننے والوں میں اجنبی ہو جائے گا'' رسالہ حکم موالات اہل الاشراک میں شیخ سلیمان بن عبداللہ بن الشیخ محمد بن عبدالوہاب ؒ لکھتے ہیں'' کوئی بھی شخص جب مشرکوں کے رعب میں آ کر ان کی موافقت کرتا ہے۔ ان کی خاطر مدارات میں لگا رہتا ہے۔ تو وہ بھی ان کافروں جیسا ہی ہے۔ اگرچہ وہ کفار کے دین کو ناپسند اور مسلمانوں کے دین کو پسند ہی کرتا ہو'' شیخ سلیمان ؒ مشرکوں کی مال و دولت سے مدد کرنے اور مسلمانوں سے تعلق توڑنے جیسے قبیح افعال کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں'' کوئی مکرُہ (جسے بزور گناہ یا کفر کرنے پر مجبور کیا جائے) ہی اس وعید سے مستثنیٰ ہو سکتا ہے مثلاً مشرکین کسی شخص پر غلبہ پا کر کہیں'' تم کفر کرو یا یہ گناہ کا کام کرو' وگرنہ ہم تمہیں قتل کر دیں گے۔ اس حالت میں دل کے اندر ایمان پر مطمئن رہتے ہوئے زبانی طور پر کفار سے موافقت جائز ہے'' اس کے علاوہ اگر کوئی ازراہِ مذاق کلمہ کفر منہ سے ادا کرے تو علماء کے اجماع کے مطابق وہ کافر ہے۔ اب آپ اُس شخص کی بابت کیا رائے دیں گے جو دنیاوی فائدے کے لیے ایسے کام کا ارتکاب کرے جس سے اہلِ علم کے ہاں وہ کافر ہو جاتا ہے مگر وہ اپنے عذرات کا بہانہ ہی بناتا رہے۔ اس موضوع پر شیخ سلیمان ؒ نے بیس دلائل ذکر کیے ہیں جس سے اُن کی تصنیف کا نام ہی (الدلائل) پڑ گیا ہے۔ اصحابِ دعوت کے لیے اِس کتاب میں غور کرنے کے لیے کافی سامان ہے۔ جو حضرات انسان ساختہ قوانین کا احترام کرتے ہیں' یہ دلائل ایسے لوگوں کے لئے نہایت اہم ہیں۔

شیخ حمد بن عتیق ؒ اور شیخ سلیمان ؒ کی تصنیفات ''سبيل النجاة و الفكاك'' اور ''كتاب الدلائل'' نے اپنے زمانے کے شرک سے پردہ اُٹھانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

یہ بھی معلوم رہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب ؒ کی اولاد میں سے اکثر شیوخ اس وقت کی مصری افواج اور ترکی افواج کو کافر سمجھتے تھے۔ اس صورتحال میں بار بار ذہن میں آتا ہے کہ'' جب بڑے بڑے ائمہ اپنے دور کی افواج کے بارے میں ایسا حکم رکھتے تھے تو اس دور کے کفریہ قوانین کی بندگی کرنے والوں کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟ ان لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہوگا جو اپنے مال و دولت اور گھر بار اور تنخواہوں سے محرومی کے ڈر سے کفار سے محبت اور ان کے لشکروں کی اطاعت کرتے ہیں۔ ان کا کیا حکم ہوگا جو کفار کا خلوص دل سے احترام کرتے ہیں؟ اگر وہ علماء اس دور میں ہوتے تو کیا حکم لگاتے!

ہمارے پیشِ نظر اس وقت وہ موضوع ہے جو اسلام کی بنیاد اور اصل الکلمہ ہے دین کی فروعات نہیں ہیں' ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے خاندان' اہل و عیال' مال و تجارت' کو دین کی سربلندی کے لیے قربان کریں نہ کہ دنیا کے لئے دین کو قربان کریں:۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (التوبة: ۲۴)

''اے نبیؐ' کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے' اور تمہارے بھائی' اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں' اور

تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے۔اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں' تم کو اللہ اور اس کے رسُول اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے' اور اللہ فاسق لوگوں کی راہنمائی نہیں کیا کرتا''۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آٹھ چیزیں ذکر کرنے کے بعد کہا کہ اللہ اُس کا رسول اور اُس کے راستے میں جہاد اِن سب سے بڑھ کر ہے۔'' (الدرر السنیۃ: جزء الجہاد ص ۱۲۷)

حکمران طبقہ اور اسوہ ابراہیم علیہ السلام

وہ حربے جو طواغیت ملت ابراہیم کو مسخ کرنے کیلئے اختیار کرتے ہیں

گزشتہ صفحات میں ہم ملت ابراہیم کے منہاج کو تفصیل سے بیان کر آئے ہیں، جس کے بعد اُمید کی جاسکتی ہے کہ انبیاء کا مشن یہ ہوتا ہے کہ اپنے زمانے کے طواغیت کی پہچان کرانا اور جہاں جہاں وہ اللہ کے حق کو دبائے بیٹھے ہوں، اپنے مخاطبین پر واضح کرنا کہ وہ یہ تمام اختیارات خالص اللہ رب العالمین کے لئے ہیں نیز اس بات کے شہادت دینا کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا اعتبار طاغوت کے انکار کرنے سے مشروط ہے، نہ صرف ابراہیم علیہ السلام کا اسوہ ہے بلکہ تمام انبیاء اور رسل طاغوت کا انکار کرانے اور طاغوت جن اختیارات پر قابض ہے اس کا سزاوار اللہ رب العالمین کو منوانے کے لیے مبعوث ہوتے ہیں تو پھر یہ دعوت ہر زمانے کے طواغیت کیلئے زندگی موت کا مسئلہ بن جاتی ہے۔ وہ ہر لمحے اس دعوت کے برپا ہونے سے چوکنا رہتے ہیں۔ یہ ان کے عرش کیلئے سنگین ترین خطرہ ہوتی ہے۔ اس لئے حکومت اپنی ساری قوت اور تمام ذرائع ابلاغ اپنے جاہلی تصورات کو حق بتانے پر صرف کر دیتی ہے۔ یہ حال اُن ممالک کا ہے جہاں حکمران طبقہ اس بات کا دعوے دار ہے کہ وہ اسلام کا خیر خواہ ہے۔ وہ ممالک جو کھلم کھلا لادین ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں (جیسے کرنل قذافی، عراق کی معزول قیادت اور ترکی کا دستور) اُن کی اسلام دشمنی تو کوئی ڈھکی چھپی بات ہے ہی نہیں۔ اگلی سطور میں ہم اُن حکمرانوں کی چالیں بیان کریں گے جو وہ ملت ابراہیم کو مسخ کرنے کے لیے کرتے ہیں اور پھر اُسے انبیاء کا منہاج بتانے پر اپنی صلاحتیں کھپا دیتے ہیں۔ ہر دور کے صاحب حیثیت لوگ یہی کرتے آئے ہیں کہ کسی اصولی دعوت کو اگر مٹا نہ سکیں تو اُسے اپنے لئے قابل قبول بنانے کیلئے ایک نئی وسیع تر شکل دے ڈالتے ہیں۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ نے سورہ قلم میں بیان کیا ہے:۔ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ (القلم: ۹)

''یہ تو چاہتے ہیں کہ کچھ تم مداہنت کرو تو یہ بھی مداہنت کریں۔'' وہ چاہتے ہیں کہ کوئی بھی نظریہ اور اصول غیر لچکدار نہ ہو' اس مقصد کیلئے وہ اسلام اور انبیاء کی دعوت کو مسخ کرنے میں ساری قوت پھونک دیتے ہیں۔ شروع میں وہ داعیانِ حق سے ایسی بات کا تقاضا کرتے ہیں جو اسلام میں موجود تو ہوتی ہے لیکن اس کا موقع کوئی اور ہوتا ہے۔ اگر وہ علماء کو اُس ڈگر پر چلانے میں کامیاب ہو جائیں جو دراصل دعوت کا مکمل رخ موڑ دینے والی ہوتی ہے تو پھر وہ پر اُمید ہو جاتے ہیں کہ اب علماء کو بھول بھلیوں میں ڈالنا آسان ہو گیا ہے۔ سورہ اسراء میں اہل باطل کی اس چالا کی کو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے:۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ، وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا (اسراء: ۷۳)

''اے محمد ﷺ' ان لوگوں نے اس کوشش میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی کہ تمہیں فتنے میں ڈال کر اُس وحی سے پھیر دیں جو ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے تا کہ تم ہمارے نام پر اپنی طرف سے کوئی بات گھڑو۔ اگر تم ایسا کرتے تو وہ ضرور تمہیں اپنا دوست بنا لیتے''۔

اس آیت کی تفسیر میں سید قطب لکھتے ہیں:۔ شروع میں بااثر طبقہ صرف اتنا ہی چاہتا ہے کہ ذرا سا سمجھوتہ کرلیں، کوئی ایسی صورت جس میں دونوں فریق، بااثر اور برسر اقتدار طبقہ جو قوانین یا رواج کے ذریعے اپنی حاکمیت منوا چکا ہوتا ہے اور انبیاء کا گروہ مل جل کر اپنے اپنے نظریات سے سخت پہلو نکال دیں اور اس کے صلے میں اقتدار میں شراکت اور مال میں سے حصہ لے لیں۔ مگر انبیاء کو اللہ ایسی چالبازیوں سے محفوظ کر لیتا ہے البتہ داعیانِ حق نے انبیاء کی سیرت کو خوب اچھی طرح نہ سمجھا ہو اور اُن میں حد درجے کی استطاعت نہ ہو تو پھر اُن کے دام میں آ جانے کا پورا امکان ہوتا ہے۔ شیطان سمجھتا ہے کہ اگر دعوت کو برسر اقتدار طبقے کی سرپرستی وقتی طور پر حاصل ہو جائے تو پھر عوام الناس میں ڈٹ کر دعوت کو اس کے اصلی خطوط پر چلانے کا کام آسان ہو جائے گا۔ لیکن جتنا حصہ وہ برسر اقتدار طبقہ کے ساتھ معاہدے کی صورت میں گنوا آتے ہیں، دعوت کا یہ انحراف عوام الناس تک جا کر اپنے مرکز سے بہت دور جا چکا ہوتا ہے۔ ایک دفعہ دست بردار ہو کر کسی جاہ، منصب یا سختی کی جگہ نرمی کا گُر نہیں ہاتھ آ جاتا ہے، جہاں ذرا سی مشکل آئی جھٹ دعوت کے کسی اور گوشے کو دست برادری کیلئے پیش کر دیا۔ جیسے جیسے داعی حضرات عوام الناس میں گھلتے ملتے ہیں ویسے ہی برسر اقتدار طبقہ اپنے مطالبات بڑھاتا جاتا ہے۔ ایک ایک رکاوٹ پر دعوت کے کسی نہ کسی پہلو سے دست بردار ہو جانے سے رفتہ رفتہ داعی حضرات کنگال ہو جاتے ہیں تو ایک دم ان کی قیمت گر جاتی ہے، خدا پر بھروسا اور رکاوٹوں پر

استقامت کی عادت پڑی نہیں ہوتی، یہاں پہنچ کر برسر اقتدار طبقہ اور داعی حضرات دونوں کا ہی وسائل پر بھروسا ہوتا ہے، برسر اقتدار طبقہ تو فی الواقع وسائل رکھتا ہے، داعی حضرات صرف اُس میں حصہ ہی کے طلبگار بن کر رہ جاتے ہیں۔ بلاشبہ سید قطب رحمہ اللہ کا یہ تجزیہ حرف بہ حرف درست ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کتنے ہی داعی، طواغیت کے شانہ بہ شانہ کھڑے ہوتے ہیں، نہ اُن سے دُشمنی نہ عداوت۔

فی زمانہ اس کے لئے برسر اقتدار طبقہ نے قومی اسمبلی، سینٹ اور کابینہ جیسے ادارے قائم کر رکھے ہیں۔ داعی حضرات زر کثیر اور وقت عزیز صرف کر کے یہاں پہنچ پاتے ہیں تو برسر اقتدار طبقے کی سرپرستی میں اُن کے آدمی اِن سے زیادہ تعداد میں وہاں موجود ہوتے ہیں۔ اگلے انتخابات تک یہ دونوں فریق ان اداروں کے جال میں آپس میں الجھ کر وقت گنوا بیٹھتے ہیں۔ ملکی مسائل، اختیارات اور فنڈ کی تقسیم، رشوت ستانی، اقرباء پروری اور ناگفتہ بہ حالات ہی ان کا موضوع بنے رہتے ہیں۔ کہاں گئی انبیاء کی دعوت، طاغوت کا انکار، دعوت کو سینے سے لگا کر رکھنا، عقیدے کے کسی ایک ادنیٰ سے پہلو سے بھی دست بردار نہ ہونا' عداوت کا اظہار اور اکیلے اللہ کی بندگی اور اُس کے قانون کی سربلندی پر ڈٹ جانا۔

داعی حضرات کو مصروف رکھنے کیلئے طواغیت ملک میں پائے جانے والے پرامن فرقوں کو ہوا دیتے ہیں، اُن کے خطرے کو وطن عزیز کا سب سے بڑا خطرہ بنا دیتے ہیں۔ اگر وطن میں اشتراکی یا نسل پرستی کی دعوت دینے والی تنظیمیں محض نام کی حد تک بھی ہوں تو انہیں اسلامی عقیدے کیلئے ایک بڑا خطرہ بنا کر پیش کرتے ہیں اور مخلص داعی حضرات کو ان کاغذی شیروں کے سامنے لا کھڑا کرتے ہیں۔ جہاں تک فرقوں کا تعلق ہے تو وہ کبھی اسلام کے لئے خطرہ نہیں ہوتے، اُن میں سے ہر ایک فرقہ اپنے زاویہ نظر سے دِین کی سربلندی کا خواہاں ہوتا ہے۔ جہاں تک شیعہ کا تعلق ہے تو سنی اکثریت والے ممالک میں وہ سنی عوام الناس میں غیر مؤثر ہوتے ہیں اور اُن کا ضرر ایسا نہیں ہے کہ اس سے سنی مذاہب کے معدوم ہو جانے کا خطرہ ہو۔ اشتراکی اور قوم پرست تنظیمیں نہ صرف اپنے اپنے ملکوں میں بدنام ہوتی ہیں بلکہ وہ قوت میں بھی نہیں ہوتی یا پھر سرکاری سرپرستی میں ایک بڑا خطرہ بن کر نظر آ رہی ہوتی ہیں۔ یہ ساری چالاکی صرف مخلص داعی حضرات کو اصل موضوع سے ہٹانے کیلئے ہوتی ہے اور داعی حضرات اپنی تمام تر توانائیاں اپنے دشمن کو مستحکم کرتے ہوئے اس کے اقتدار کے ایک اور مخالف کے خلاف شرعی دلائل ڈھونڈنے میں ضائع کر دیتے ہیں خواہ وہ یہ خدمات شعوری کرتے ہوں یا لاشعوری، اس کے نتیجے میں سر پر مسلط طاغوت اور مستحکم ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات کسی داعی سے ایسی چوک ایک دو بار ہو جاتی ہے لیکن برسہا برس سر پر مسلط طاغوت کو سرے سے موضوع نہ بنانا، ملت ابراہیم کے منہاج سے روگردانی کی بنا پر ہوتا ہے۔ سوہ قصص کی آیت ''رب بما أنعمت '' کی تفسیر میں امام قرطبی ایک قول نقل کرتے ہیں، جس اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام سے مصری قبطی کے خلاف مدد مانگی تھی وہ بنی اسرائیل کے اس گروہ سے تعلق رکھتا تھا جو کافر ہو گیا تھا۔ قرآن مجید میں اس کے لئے ''من شیعته '' کے الفاظ محض اس کے موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے ہونے کی وجہ سے آئے ہیں نہ کہ یعقوب علیہ السلام کے دین پر چلنے کی وجہ سے، موسیٰ علیہ السلام نے اس کی مدد کرنے کے بعد اظہار ندامت بھی اسی لئے کیا تھا کہ انہوں نے ایک کافر کے خلاف کافر کی مدد کر کے بھلائی کا کام نہیں کیا ہے۔

خود قرآن مجید کا بھی یہی تقاضا ہے کہ جس کافر سے مومنین کو شدید واسطہ پڑا ہو، مؤمنین اپنی توانائیاں اُسے زیر کرنے پر صرف کر دیں۔ سورہ توبہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ دُنیا میں موجود دیگر کافروں کو نظر انداز کرتے ہوئے اُن کفار سے نبٹنے کو ترجیح دیتا ہے جن سے اہل ایمان کو اُس وقت پالا پڑا ہوا تھا:۔

'' يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ (التوبۃ:۱۲۳) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جنگ کرو اُن منکرین حق سے جو تم سے قریب ہیں۔ اور چاہیے کہ وہ تمہارے اندر سختی پائیں' اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے''۔

بلاشبہ قوم پرست اور اشتراکی تنظیمیں بھی کفر کی دعوت پھیلانے کا عزم رکھتی ہیں۔ ایک وقت پر اہل ایمان کی اِن سے مڈبھیڑ ہونی ہی ہے لیکن جب تک بڑے اور بااثر کافر کا سامنا کر کے اللہ کا کلمہ بلند نہ ہو جائے اُس وقت اپنی توانائیاں چھوٹے مقصد پر صرف کرنا، اصل ہدف سے دور ہونا ہے، پھر جس طاغوت سے آخر کار آپ نے ٹکرانا ہی ہے ابتدا میں اُس کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنسنا خود شکست کھانا ہے جبکہ اس سر پھٹول سے وہ اور بھی مضبوط ہو جاتا ہو۔

یہی بات سیرت النبی سے بھی ثابت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روم فارس اور یہود ونصاریٰ سب سے جہاد کیا تھا لیکن پہلے اُس دشمن پر اپنی توجہ مرکوز رکھی جسے نظر انداز کرنے سے دعوت کو حتمی نقصان ہونا تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی قوم کا ایک تو اہل ایمان پر اثر ونفوذ تھا دوسرا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین اور بلاواسطہ دشمن تھے اور اس گھات میں لگے ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور دشمن کی طرف متوجہ ہوں تو وہ شب خون مار کر پوری دعوت کی لٹیا ڈبو دیں۔

برسر اقتدار طبقہ ابتداء میں تو مخلص سادہ لوح داعی حضرات کے لیے قوم پرست اور اشتراکی تنظیموں کا ہوّا کھڑا کرتا ہے، جب داعی حضرات اپنا لائحہ عمل اُن سے لینا شروع کر دیتے ہیں تو پھر اشتراکی اور قوم پرست تنظیموں سے توجہ ہٹا کر اسلامی تنظیموں سے بھڑا دیتا ہے۔ کبھی اُن کے تحقیقاتی مراکز اُن کے ہی بھائی بندوں کو جو اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے اپنی کوششیں کر رہے ہوتے ہیں، جدید فرقہ خوارج قرار دیتے ہیں، انہیں انقلابی کہا جاتا ہے، وطن عزیز کے باغی کہا جاتا ہے۔

فرض کیا کہ اسلامی تنظیموں میں کسی نہ کسی حدتک انحراف ہوگا مگر کیا اُن کا انحراف اور طاغوت کا انحراف ایک جیسا ہوگا، کیا اسلامی تنظیمیں اللہ کے دین سے اتنی دُور ہوتی ہیں جتنا برسراقتدارطبقہ، اور کیا اگر برسراقتدار طبقے کی آپ تکفیر نہ بھی کرتے ہوں تو اسلام کے نفاذ میں اُن کی دلچسپی اور توجہ کتنی ہوتی ہے؟ یہ بات کسی اہل وطن سے پوشیدہ نہیں ہے۔ مخلص داعی حضرات کو ان پھندوں سے نکلنا ہوگا ورنہ وہ ہمیشہ بھول بھلیوں میں الجھے رہیں گے۔

برسراقتدارطبقہ اقتدار میں شرکت، سرکاری عہدے اور وزارتیں تک داعی حضرات کو ایسے ہیر پھیر سے دیتے ہیں کہ وہ برسراقتدار طبقہ کو ہی مضبوط کرتے ہیں۔ بتایئے جس طاغوت کا آپ نے انکار کرنا تھا خود اُسی کے نمک خوار ہو گئے تو پھر انکار کس طرح ہو پائے گا۔ اگر برسراقتدار طبقہ اسلام کے نفاذ کو بھی اپنی تقریروں میں شامل کرلیتا ہے تو پھر تو اِن سے حاصل کی گئی وزارتوں اور عہدوں پر براجمان علمائے کرام اُس کے باطل نظریات میں بھی از خود اسلام کی ایسی مینا کاری کرتے ہیں کہ عام مسلمانوں کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔

'تلبیس ابلیس' میں ابن الجوزیؒ لکھتے ہیں۔ ائمۃ العصر اور فقہاء الزمان کو شیطان برسراقتدار طبقے تک رسائی پانے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس کے لئے وہ ایسے دلائل ڈھونڈ لاتا ہے جس سے اسلام یا اُن کے مذہب کے پھیلنے کی اُمید ہوتی ہے یا پھر انہیں کہتا ہے کہ تم ظلم کے خلاف اس طرح مؤثر کردار ادا کرسکو گے۔

محترم قارئین ائمہ کرم اور داعی حضرات کا اقتدار میں شریک ہونا ہمیشہ اسلام کی اصل دعوت کیلئے نقصان دہ ثابت ہوا ہے۔ اقتدار میں شراکت طواغیت کا ایک سوچا سمجھا منصوبہ ہے اگر اس شرکت سے ان کے اقتدار یا اُن کی سیاسی قدروں کیلئے کوئی خطرہ ہو تو وہ اس میں بہ رضا و رغبت انہیں شریک کار ہی کیوں کریں!

سفیان ثوری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: **ما أخاف من اهانتهم لي وإنّما أخاف من اكرامهم فيميل قلبي اليهم** مجھے سلاطین سے اپنی توہین کا ڈر اتنا پریشان نہیں کرتا جتنا اُن کے انعامات اور بڑے بڑے القابات سے میرے نفس کے پھسل جانے کا ڈر مجھے شدید پریشان کرتا ہے۔

طواغیت کا ایک یہ بھی حربہ ہے کہ وہ داعی حضرات کو علمی تحقیقات میں مصروف کردیتے ہیں۔ ان کے لئے جامعات، اسلامی مراکز، کتب خانے، مخطوطے اور وہ سب کچھ جو انہیں قلم دوات میں الجھا سکے فراہم کردیتے ہیں۔ جن حضرات کو عوام الناس میں اتر کر سنت ابراہیم کو زندہ کرنا تھا وہ مردہ اوراق کی ورق گردانی میں ہی اعلائے کلمۃ اللہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے اپنی بینائی سے ہی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

طواغیت ناخواندگی کا بھی بہت رونا روتے ہیں، ناخواندگی کے خلاف جہاد کے لئے سالانہ بجٹ کا اتنے فیصد مخصوص کیا جاتا ہے۔ اگر آپ تعلیم گاہوں میں فراہم کی جانے والی تعلیم اور تربیت کا جائزہ لیں تو وہ قومی تاریخ کی داستانوں، طواغیت کے نام اور کارناموں اور ملک میں رائج انسان ساختہ قوانین کی تقدیس سے بھری ہوں گی۔ اگر روزانہ کی اس غذا سے وہ خاموش شہری نہیں بن پاتے اور غیرت کی کوئی چنگاری باقی رہ جاتی ہے تو بندوق کی چنگاری سے اُسے بجھا دیا جاتا ہے۔

تعلیم گاہیں تو یہ خدمت انجام دیتی ہیں' فارغ اوقات اور تعطیلات میں مصروفیت کیلئے کھیل تماشے کیبل ٹی وی اور سستے موبائل فون ننھے ننھے ہاتھوں میں تھما دیے جاتے ہیں۔ ہمارے جاہل عوام خود ہی اپنا پیٹ کاٹ کر یہ الیکٹرانک زہر اپنے گھر میں وبائی امراض پھیلانے کیلئے خرید لاتے ہیں اور یہ سب طواغیت کے منصوبے کا حصہ ہوتا ہے۔

برادران اسلام، اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ایک خاص طرز زندگی پسند فرمایا ہے اور اپنے برگزیدہ انبیاء کو رہنمائی کیلئے نمونہ بنایا ہے، اِس راستے میں جو دشواریاں اور دشمن کی چالیں پیش آتی ہیں اُن سے بھی ہمیں اپنی رحمت سے مطلع فرما دیا ہے جیسے سورہ قلم میں فرمایا:۔ **وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ** (القلم: ۹)

''یہ تو چاہتے ہیں کہ کچھ تم مداہنت کرو تو یہ بھی مداہنت کریں۔''

اور جھوٹوں کی اطاعت سے ہمیں منع فرمایا ہے:۔ **فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ** (القلم: ۸) ''لہٰذا تم اِن جھٹلانے والوں کے دباؤ میں ہرگز نہ آؤ''۔

طواغیت کی اطاعت مت کرو، اُن کی طرف مت پھسلو، اُن کے منصوبوں کا حصہ مت بنو بلکہ ابراہیم علیہ السلام کی طرح حق پر جم کر بُتانِ وقت کی عزت خاک میں ملا دو۔

دیکھیں مکہ میں آپ کو کوئی اقتدار حاصل نہیں ہوا تھا، اس کے باوجود سورہ دھر' جو مکی سورت ہے، اس میں آپ ﷺ کو تلقین کی جاتی ہے:۔ **اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ۝ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا** (الدھر: ۲۴،۲۳)

''اے نبی، ہم نے ہی تم پر یہ قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے' لہٰذا تم اپنے رب کے حکم پر صبر کرو' اور ان میں سے کسی بدعمل یا منکرِحق کی بات نہ مانو''۔

آثم اور کفور کی اطاعت سے روگردانی کرنا انبیاء کی سنت ہے۔ داعی حضرات دعوت کا میدان اور موضوع اختیار کرنے میں آزاد نہیں ہیں بلکہ انبیاء کی اتباع اُن پر فرض ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی سیرت کو قرآن نے کھول کھول کر جگہ جگہ اس لئے بیان کیا ہے کہ داعی حضرات اس منہاج سے ہٹ کر فروعی یا غیر اہم مسائل میں نہ الجھ جائیں۔ اُن سے قرآن یہ تقاضا کرتا ہے کہ **فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا** (الفرقان: ۵۲)

''پس اے نبی ﷺ' کافروں کی بات ہرگز نہ مانو اور اِس قرآن کو لے کر ان کے ساتھ جہاد کبیر کرو''۔ یعنی اِس قرآن کے واضح کردہ خطوط پر جہاد کر وا پنے طور پر

دعوت کا میدان مت اختیار کرو۔یہی حکم نبی آخرالزمان کو دیا جاتا ہے:۔ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا O وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکھف:۲۸،۲۹)" کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی خواہشِ نفس کی پیروی اختیار کر لی ہے اور جس کا طریقِ کار افراط وتفریط پر مبنی ہے۔صاف کہہ دو کہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے'اب جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے"۔

سورۃ شوریٰ بھی مکی سورت ہے:۔ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ (الشوریٰ:۱۵)

''چونکہ یہ حالت پیدا ہوچکی ہے اس لئے اے محمد ﷺ 'اب تم اُسی دین کی طرف دعوت دو'اور جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے اُس پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جاؤ'اور اِن لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو'۔سورہ شوریٰ کی اسی آیت میں دوٹوک الفاظ سے نبی علیہ السلام سے کہلوا جاتا ہے:۔ **لنا اعمالنا ولکم اعمالکم** ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں۔

سورہ جاثیہ بھی مکی سورت ہے۔اس سورت میں دعوت کے لئے نصاب بتلایا جارہا ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے:۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ O اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ (الجاثیۃ : ۱۸،۱۹)

''اس کے بعد اب اے نبی ﷺ 'ہم نے تم کو دین کے معاملہ میں ایک صاف شاہراہ (شریعت) پر قائم کیا ہے۔لہٰذا تم اسی پر چلو اور اُن لوگوں کی خواہشات کی اتباع نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔اللہ کے مقابلے میں وہ تمہارے کچھ بھی کام نہیں آسکتے۔ظالم لوگ ایک دوسرے کے ساتھی ہیں'اور متقیوں کا ساتھی اللہ ہے''۔

محترم قارئین!اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو لہو ولعب اور غیر سنجیدہ کاموں میں الجھنے کے لئے پیدا نہیں کیا ہے۔پورا قرآن ان کے سامنے دعوت کے میدان،طواغیت کا انکار اور اللہ رب العالمین کی بندگی کو پیش کرتا ہے۔کیا جس منہج نے رسول اللہ ﷺ کو کامیاب بھی کر دیا تھا اور انہیں طواغیت سے محفوظ بھی رکھا تھا وہ منہج اب ناکارہ ہو گیا ہے۔جاگنے کا وقت اب ہے ورنہ نیند میں ہی اپنی موت آپ مرجانا ہے۔دو میں سے ایک راستہ ہر شخص اختیار کرتا ہے اللہ کی شریعت یا انسان ساختہ راہیں!ان دوراہوں کے درمیان کہیں میلاپ یا سمجھوتہ نہیں ہے۔

صرف اللہ کی شریعت ہی ایسی ہے جس پر انسان کے قدم اُٹھیں۔جس جگہ ٹھوکر کھائیں گے وہیں سے یہ راہ کھسک جائے گی اور انسان ساختہ راہ پر پیر پڑے گا۔اہل باطل ایک دوسرے کے حامی اور مددگار رہیں،اہل حق بھی اہل باطل سے کسی قسم کی مدد نہ لیں اپنا بھروسا اللہ پر رکھیں وہی ان کا حامی اور مددگار رہے۔

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ